الاسلام والنصرانیۃ

مصر کے مفتی اعظم شیخ محمد عبدہ کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ

جس میں

اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اور تاریخی
واقعات سے ثابت کیا ہے کہ علم و سائنس اور تمدن و
تہذیب سے اسلام کس قدر دوش بدوش ہے
اور عیسائیت سے اسکی کس قدر منافات ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فہرست مضامین الاسلام والنصرانیہ

عنوان مضامین	صفحہ
پہلی قسم نصرانیت کے بیان میں ﴿ (عیسائیت میں علم اور مدنیت کی ہستی خراب تھی)	۱
اجمالی جواب	۳
تفصیلی جواب	۵
مسلمانوں میں اختلاف مذاہب کی وجہ سے جنگ ہونے کی تردید	۶
مسلمانوں کا ہر ایک قوم کے اہل علم اور اہل نظر کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنا	۸
ان حکماء اور علماء میں سے چند لوگوں کے نام اور حالات جو خلفاء کے دربار و مجلس میں با رسوخ ہوئے	۹
دین مسیحی کی طبیعت اور اسکے اصول	۱۵
(تمہید) ﴿ نصرانیت کی پہلی اصل خوارق اور معجزے	۱۶
نصرانیت کی دوسری اصل دینی رئیسوں کی مطلق حکومت ہے ----	۱۷
نصرانیت کی تیسری اصل ترک دنیا ہے ----	۱۸
نصرانیت کی چوتھی اصل غیر معقول باتوں پر ایمان رکھنا ہے ----	۱۹
نصرانیت کی پانچویں اصل یہ ہے کہ مقدس کتابیں انسانی معاش و معاد دونوں کی تمام ضروریات پر حاوی ہیں	۲۰
عیسائیت کی چھٹی اصل مسیحی مذہب کے پیرووں اور ان کے سوا دوسرے لوگوں میں تفریق کرنا (حتٰی کہ قریبی رشتہ داروں میں بھی)	۲۱
ان اصول کے آثار اور نتائج	۲۲
اشاعت علم پر عیسائیت کی روک ٹوک اور بندشیں ----	۲۶
چھپی ہوئی کتابوں کی نگرانی اور تفتیش کا محکمہ ----	۲۸
مسیحیت کا یہودیوں مسلمانوں اور تمام اہل علم پر ظلم و ستم توڑنا ----	۳۰
کنیسہ کی طرف سے ٹیکہ لگانے کی روک ٹوک	۳۲
تسہیل ولادت کی روک تھام	؍؍
تمدنی حکومت اور حریت اعتقاد کی روک تھام ----	۳۳
علمی مجلسوں اور کتابوں کی روک ٹوک ----	۳۴
فرقہ پروٹسٹنٹ یا مصلح جماعت	؍؍
کیا مسیحیت میں دینی اور دنیاوی حکومتوں کے مابین امتیاز کیا گیا ہے	۳۶
مسیح اور مسیحیت کے بارہ میں مسلمانوں کا اعتقاد	۳۹

صفحہ	خلاصہ مضمون
۴۱	دوسری قسم اسلام کے بیان میں .... (طبیعت اسلام اپنے اصول کے اقتضا سے عقل کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے) پہلی اصل کی تمہید ....
۴۷	اسلام کی پہلی اصل تحصیل ایمان میں عقلی نظر اور غور سے کام لینا ہے ....
۴۸	اسلام کی دوسری اصل یہ ہے کہ تعارض کے وقت ظاہر شرع پر عقل کو ترجیح دی جائیگی
رر	اسلام میں صدور احکام کے اصول سے تیسری اصل یہ ہے کہ تکفیر سے دور بھاگنا چاہئے
۴۹	اسلام کی چوتھی اصل مخلوقات میں سنت الٰہی کو نظر عبرت دیکھنا ہے ....
۵۲	اسلام کی پانچویں اصل دینی حکومت کو مٹا دینا ہے ....
۵۴	اسلامی سلطنت ....
۵۹	اسلام کی چھٹی اصل یہ ہے کہ فتنہ کو روکنے کے لئے دعوت مذہبی کی جائے ....
۶۰	نتیجہ، اسلام اور امر ابسنہ مسیحیت کا مقابلہ ....
۶۴	اسلام کی ساتویں اصل مخالف عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنے شادی کا ناطہ ....
۶۷	اسلام کی آٹھویں اصل دین و دنیا کی خوبیوں کا باہم جمع کر لینا ہے ....
رر	صحت ....
۶۸	نرمی اور آسانی ....
۶۹	زیب و زینت ....
۷۰	کفایت شعاری ....
۷۱	دین میں غلو کرنے کی مخالفت ....
۷۶	مسلمانوں میں ان اصول نے کیا آثار اور نتائج دکھلائے ....
۷۸	مسلمانوں کا پہلے علوم ادبیہ اور پھر بتدریج علوم عقلیہ کی تحصیل میں ہی مشغول ہونا
۷۹	دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانوں کا علوم کونیہ کی تحصیل میں ہی مشغول ہونا
۸۰	مسلمانوں کا عام و خاص کتب خانے قایم کرنا ....
۸۲	مسلمانوں کا تعلیم علوم کے لئے مدرسے قایم کرنا اور درس دینے کی کیفیت
۸۵	اہل عرب کے علوم اور ان کے اکتشافات ....
۹۱	خلفاء اور امراء کا علم اور علماء کی دستگیری کرنا ....
۹۲	دو شبہوں کا ازالہ اور سخت گیری کی حقیقت کا بیان ....
۹۴ رر	آج اسلام کی کیا حالت ہے؟ یا مسلمانوں کے افعال و اعمال سے اسلام پر حجت قایم کرنے کی تردید ....

خلاصۂ مضمون	صفحہ
اسلام کے بارہ میں پروفیسر رنیاں کی رائے	۱۰۱
مسلمانوں کا جمود اور اسکے اسباب	۱۰۳
اس جمود کی خرابیاں اور اسکے نتائج	۱۰۹
اس جمود کا ستم نظام تمدن اور معاشرت پر	۱۱۲
اس جمود کا ستم شریعت اور اہل شریعت پر	۱۱۵
اس جمود کا ستم عقیدہ پر	۱۲۰
جمود اور مدارس نظامیہ میں تعلیم پانے والے طالب علم	۱۲۴
غیر قومی اور غیر ملکی مدارس کے طلباء کا جمود	//
سرکاری اور خانگی مدارس کے طلباء کا جمود	۱۲۵
جمود ایک علت ہے جو زائل ہوجائیگی	۱۳۰
یوروپ میں جہالت موجودہ علم کی حریت اور اسلام کی ماضی و حال سے انکی نسبت	۱۳۶
یوروپ کی مدنیت کا اسلام سے مقتبس ہونا اور اسکے پوری طرح ظہور کر سکنے کے اسباب	۱۳۸
پہلا سبب انجمنیں اور مجلسیں ہیں	//
دوسرا سبب دینی سخت گیری تھی	۱۳۹
تیسرا سبب بغاوت اور ہنگامے تھے	۱۴۰
چوتھا سبب ترک مسیحیت تھا	۱۴۱
اسلام کی سماحت پر نظر ثانی	۱۴۲
علم کا لازمۂ دین ہونا اور مسلمانوں میں تعصب کے مرض متعدی کی اشاعت	۱۴۵
آثار سلف کی طرف سے بے توجہی	۱۴۷
دینی علوم اور ان کے مطالب	۱۴۸
علم اشاعت اسلام کا تابع اور اسکے سوا دیگر ادیان وملل کا مخالف رہا	۱۵۰
اسلام کی دعوت دینے والے	۱۵۱
مقلد اس شخص سے ہر حال میں گھٹ کر رہتا ہے جس کی وہ تقلید کرے	۱۵۲
اصلاح اور اصلاح کرنے والے	۱۵۴
عیسوی اور اسلامی تعصب کا فرق	۱۵۵
مسلمانوں کے معاملہ میں مسیو ہانوتو کی آخری رائے	۱۵۶
انگریزوں کی سماحت آمیز حکمت عملی	۱۵۸
خاتمہ	۱۵۹

نادر و نایاب کتب موجودہ دفتر [illegible]

فتح اندلس:- ایک دلچسپ تاریخی ناول جس میں اسلامی فتوحات اسپین کے منظر۔ مجاہدین کی بہادری۔ سپہ سالاران اسلام کے زرین کارنامے مسلمان حاکموں کی معدلت گستری۔ عیسائی فرمانرواؤں کی بداخلاقی۔ یہودیوں کی مظلومی اور انتقام کشی کے ہو بہو نقشے کھینچے گئے ہیں قیمت ۱۲؎

تمدن اسلام حصہ اول و حصہ دوم:- اسلامی سلطنت کی یوماً فیوماً ترقی کے ساتھ اسکے انتظام ملکی و مالی اور فوجی کی تاریخ۔ اور مسلمانوں اور اسلامی حکومت کے تمول اور شان و شوکت کے تفصیلی حالات جو صدہا تاریخی کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ بڑی خوبی کے ساتھ یکجا جمع کر دئیے ہیں مناسب موقع تصویریں بھی دی گئی ہیں فی حصہ ۱۲؎۔ ہر دو ملکر ۱

بشارة فاطمہ ایک عدیم النظیر دلچسپ مذہبی ناول ہے جس میں ایک عیسائی لیڈی کے مشرف باسلام ہونے کی تفصیلی کیفیت اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ شروع کر دیجئے پھر ختم کئے بدون کتاب ہاتھ سے چھوڑنے کو ہرگز جی نہ چاہے گا مصنف نے یہ کمال کیا ہے کہ مذہبی مناظرہ کو جو بظاہر ایک خشک مضمون تھا نہایت دلچسپ بنا دیا ہے قصہ اول سے آخر تک سارا واقعات پر مبنی ہے۔ اور چونکہ قابل مصنف نے اس میں اسلام کی صداقت کے بڑے بڑے زبردست اور لاجواب کر دینے والے ثبوت عقلی دلایل سے اور خود عیسائیوں کی مقدس کتابوں سے دئیے ہیں۔ لہذا یہ کہنا ذرا مبالغہ نہیں کہ بشارة فاطمہ کی تصنیف اسلام کی ایک قابل قدر خدمت ہے جسکی محبان اسلام کو خاص قدر کرنی چاہئیے قیمت ۱۲؎

المرأة المسلمہ: مصر کے مشہور مصنف علامہ فرید وجدی کی تازہ تصنیف کا اردو ترجمہ جو آنہوں نے پردہ کی تائید۔ آزادی نسواں کی مخالفت اور رسالہ تحریر المرأة اور مرآة الجدیدہ کی تردید میں لکھی ہے۔ قابل دید ہے فی جلد ۸؎

ارمانوسہ:- ایک نہایت دلچسپ دردانگیز اور حیرتناک تاریخی عربی ناول کا ترجمہ جس میں حسن و عشق کے فرضی فسانے نہیں بلکہ سچے واقعات اور اسلامی عظمت و جبروت کے عدیم المثال کارنامے اس خوبی سے بیان کئے گئے ہیں جس کا اندازہ بغیر پڑھے یقیناً غیر ممکن ہے۔ قیمت ۱۲؎

فلاح دارین امام المحدثین علامہ راغب کی کتاب تفصیل النشاتین فی تحصیل السعادتین کا سلیس اردو ترجمہ۔ کتاب کا موضوع تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس ہے۔ فاضل مصنف نے ہر بات کی دلیل قرآن کریم کی آیتوں سے دی ہے۔ اور نہایت مدلل پیرایہ سے ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی خلقت کا ماحصل یہ ہے کہ وہ انسان کامل بنے اور دنیا میں خدا کا خلیفہ کہلانے کا مستحق ہو۔ کتاب ہر لحاظ سے اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ اور ہر مسلمان پر اسکا مطالعہ واجب ہے قیمت ۱۲؎

الایمان۔ اس کتاب میں نہایت فلسفیانہ طریق سے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کا ایمان بنص رد کے قرآن کریم کیا ہے۔ اس میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں۔ کیا کیا خارج ہیں شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی صاحب اس کتاب کی نسبت فرماتے ہیں۔ "میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ رسالہ الایمان غایت دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور موجودہ زمانہ میں ہر حیثیت سے مفید اور سود مند ہے۔ اس رسالہ نے اردو زبان میں ایک مفید اضافہ کیا ہے" قیمت ۶؍

الاسلام دین الفطرۃ:۔ آکسفورڈ یونیورسٹی واقع انگلستان کے عربی پروفیسر اور مصر کے نامور علامہ شیخ محمد عبدالعزیز شاویش کے اس مضمون کا ترجمہ جو انہوں نے دین اسلام کی حقانیت اور اسکے فطری مذہب ہونے کے ثبوت میں مقام الجزائر کی مشرقی علوم کی کانفرنس میں علمائے یورپ کے سامنے پڑھا تھا۔ اس میں عقلی دلیلوں اور اصول تمدن جدید کے لحاظ سے اسلام کے عقائد۔ توحید باری۔ نبوت کی غرض اور اسکا ثبوت اسلام کے اصول احکام کی عقلی خوبیاں اور دین اسلام کا تمام دنیا کے لئے مفید اور مؤید تمدن ہونا نہایت پرزور دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور ہر بات پر آیات قرآنی ہی سے استشہاد کیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۶؍

اسلام اور سوشیل رفارم: مصر کے بہت بڑے مسلمان عالم اور اسلامی مورخ محمد رفیق بک اعظم زادہ کے رسالہ مطالب الحیواۃ الاجتماعیۃ والاسلام کا اردو ترجمہ جس میں مصنف ممدوح نے نہایت خوبی کے ساتھ تمدن یورپ اور تمدن اسلام کا مقابلہ کرکے اسلامی تمدن کی فضیلت ثابت کی ہے۔ اس رسالہ کی مصر عرب۔ شام اور ٹرکی میں دھوم مچ گئی ہے۔ مطبع نے بغرض فایدہ رسانی اہلیان وطن اسکا اردو میں ترجمہ تیار کرایا ہے۔ اگرچہ علمی مضامین ایک طرح پر خشک ہوا کرتے ہیں لیکن یہ رسالہ نہایت دلچسپ ہے قیمت ۸؍۔

فتاۃ غسان:۔ ایک زبردست حیرتناک اور نہایت دل آویز تاریخی ناول ہے جس میں اسلام کے حالات ابتدائے ظہور سے لیکر فتوح عراق اور شام تک بڑی خوش اسلوبی سے قصہ کے پیرایہ میں دکھلائے گئے ہیں قیمت ہر دو حصہ سے ۔

فیض عام ملقب شفاء الاسقام:۔ اس کتاب میں علامہ مصنف نے قوانین علاج امراض ایسی عجیب طرز سے لکھے ہیں کہ آج تک کسی نے نہیں لکھے۔ علاوہ اسکے اس کتاب میں یہ خوبی ہے کہ جو نسخے درج ہوئے ہیں۔ سب مصنف کے اپنے تجربہ شدہ ہیں۔ کوئی نسخہ سنا سنایا نہیں لکھا اگر کوئی شاذ و نادر لکھا گیا ہے تو وہاں لکھدیا ہے کہ یہ نسخہ ہمنے خود نہیں آزمایا ہے۔ اور نسخے اکثر ایسے عجیب ہیں کہ جنکو طبیب لوگ قیمتی نوٹوں کی طرح اپنی لوٹ کھسوٹ میں مخفی رکھا کرتے تھے اور اپنی اولاد کے کسی اور کو بتانا گوارا نہ کرتے تھے۔ حضرت مصنف نے طبی دنیا پر بڑا بھاری احسان کیا ہے کہ تمام ان مخفی مجربات کو کھول کر میدان میں رکھدیا ہے۔ یہ کتاب پہلے فارسی میں

مجتبی مطبع نے بصرف زر کثیر اس کا ترجمہ سہل اردو میں کرایا ہے قیمت

بینظیر عیسی حمایل شریف مترجم :- یہ حمایل نہایت ہی صحیح و خوشخط عمدہ کاغذ پر نفیس چھپی
جس کی صحت آٹھ مولویوں - حافظوں و قاریوں سے کرائی گئی ہے - جن کی مواہیر حمایل کے آخیر پر
ثبت ہیں یا منشی محمد عبد الغنی صاحب خلف الصدق منشی ممتاز علی صاحب مہاجر مکی مشہور خوشنویس
کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے - ترجمہ مولوی شاہ عبد القادر صاحب دہلوی کا ہے - متن کی عبارت پر
خوشنما رنگ حنائی کی گئی ہے - جلد نہایت عمدہ - باوجود ان خوبیوں کے ہدیہ کچھ بھی نہیں ہے
مجلد ... غیر مجلد ...

حقیقت اسلام :- اس میں لائق مصنف نے نہایت خوبی اور متانت سے یہ امر ثابت کیا ہے
کہ اسلام انسان کا فطرتی مذہب ہے - لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ماننے اور یقین کرنے کے واسطے
نہ کسی معجزہ یا خرق عادت کی ضرورت ہے - اور نہ اسکو واسطے فلسفہ اور ہندسہ کا جاننا لازمی ہے -
بلکہ اسکا ماننا انسانی فطرت میں ودیعت ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا عقلی
دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مخالف مذہب والوں کو بھی سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہیں ہے -
قیمت

مرآۃ الاسلام :- یعنی روشنائے کیفیت بہار و خزان اسلام مولوی حبیب اللہ صاحب بسمل نے
فارسی نظم میں ایسا لکھا ہے کہ سچ کا فقرہ یہ رکھدیا ہے کا پیچا انکال کے - مولانا حالی مد ظلہ العالی
نے مد و جزر اسلام ایک بے نظیر مسدس لکھا ہے مگر سچ ہے گلہائے رنگ رنگ و بوئے دیگر است
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مرآۃ الاسلام اسلام کے گذشتہ زمانہ کی روزافزوں
ترقیوں کا آئینہ حیرت ہے اور موجودہ خزاں دیدہ بہار کا مرقع عبرت - تاریخ کی تاریخ ہے اور اپنے
حیرت مجسم خیالات کا البم قیمت

تفضیح حقوق نسوان : بعض بھائی نے اپنے دینی احکام اور خوبیوں سے جو عورات کی حالت اور حقوق
سے متعلق ہیں اپنی کم فہمی کے باعث اعراض کرکے اُن میں اُن باتوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہے
جو ملک اور قوم کے موافق حال نہیں - اور اُن سفید اور رحمۃ للعالمین قوانین میں رخنہ اندازی
کا بیڑا اُٹھایا ہے - اور مسلمانوں کی مستدنیل حالت کی اصلاح کرنے کی فکر میں اُن خوبیوں کا قلع
قمع کرنے پر کمر باندھی ہے جن سے انکار نہیں ہو سکتا - مرد کا رتبہ کم کرکے عورت کو ہر ایک حیثیت
میں اُسکا ہم پلہ بنانا چاہا ہے - اور مرد کے اُن اختیارات کو سلب کرنے کی کوشش کی ہے جو
رب جلیل نے اُسکو محض بوجہ مرد ہونے کے عطا فرمائے ہیں - تعدد ازدواج کو وحشیانہ رسم قرار دیا
ہے اور عورتوں اور مردوں کے بلا تکلف خلا ملا کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے - اور اس ساری بحث کو مغربی روشنی
کی کرنوں سے مجلا اور منور کیا ہے - ان تمام اوہام باطلہ کی تردید و تکذیب اس کتاب میں معقولیت سے
کی گئی ہے - اور انگریزی منطق اور فلسفہ کی قلعی کھولی ہے اور شریعت اور احکام قرآنی کی صحیح تشریح
سے بتایا ہے کہ ایسے لوگوں کے ذہن کی رسائی اُن خوبیوں تک نہیں ہوئی جن کو مد نظر رکھکر وہ احکام
وضع کئے گئے ہیں - مصنف نے عقلی و نقلی دونوں دلایل سے کتاب میں استدلال کیا ہے قیمت ۸ ر *

ازالۃ التکاویح فی تعداد التراویح :- علامہ مولف مرحوم نے اس خوبی کے ساتھ بیس رکعت تراویح کو ثابت کیا ہے کہ مخالفین کو بھی بغیر تسلیم کے چارہ نہیں۔ اس مسئلہ میں ایسی جامع کتاب قبل ازیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ کسی عالم کی الماری اس سے خالی نہ رہنی چاہیئے۔ قلیل عرصہ میں ہی اسکا دوبارہ چھپنا اسکی خوبی کی کافی کفالت ہے قیمت صرف ۸ر

شہادت الفرقان علی جمع القرآن :- اس کتاب میں ایک تمہید اور تیرہ فصلیں ہیں جنکی اہمیت انکے عنوانوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ سب عنوان خالص قرآن مجید کی کتابت جمعیت ترتیب حفاظت۔ درستی اور تکمیل وغیرہ امور متعلقہ کی بحثیں ہیں۔ اور نبی اور رسول کے مفہوم کی بحث اور لفظ نزول کے مفہوم کی تحقیقات اور نزول کتاب کا مطلب زمان رسالت میں فن کتابت کی موجودگی اور فن کتابت کے فوائد۔ مذہبی مکالمات کی وقت قرآن مجید کا طرز استدلال اپنے مدعا کے اثبات کے واسطے۔ اور فریق ثانی کے دعاوی اور ثبوت کے متعلق لوح محفوظ کی تحقیقات مسئلہ تعوذ یعنی تعوذ قرأت قرآن مجید کے پہلے ہونا چاہیئے یا بعد وغیرہ امورات عمدگی اور وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۸ر

مناقب العارفین - مقامات مولانا روم علیہ الرحمۃ مصنفہ المعروف - یہ مناقب العارفین مصنفہ شمس الدین افلاکی کا حافظ احمد علی خان صاحب نے سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں مولانا روم کے دادا بزرگوار سے لیکر مولانا صاحب کی اولاد تک کے حالات شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں اور سلسلہ بیعت بھی بیان کردیا ہے قیمت علاوہ محصولڈاک ۱۲ر

فضائل النبی صلعم - یہ نادر و نایاب کتاب اپنے پاکیزہ مضمون کے لحاظ سے وسیلہ و ذخیرہ اجر جس میں سرور کائنات افضل عالم و عالمیان باعث ایجاد کون و مکان سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل بے انتہا درج ہیں۔ آنحضرت کی پیدائش نزول وحی معجزات معراج ہجرت۔ وفات کے حالات نہایت ہی تحقیق و تدقیق سے لکھے گئے ہیں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ یہ ذخیرہ بہا دونوں جہان سے ارزاں ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں اسکا ہونا ضروری ہے قیمت فی جلد ۱۲ر

تربیت اولاد :- اس کتاب میں تربیت اولاد کے سبجیکٹ پر ہر پہلو سے حکیمانہ بحث کی گئی ہے اور بچوں کی جسمانی و اخلاقی اور روحانی غور و پرداخت کی عام فہم سہل اور کارآمد ترکیبیں بتائی گئی ہیں کہ غالباً اور کسی کتاب میں نہیں اور نہ ہونگی۔ عبارت سلیس اور عام فہم تاکہ خاص و عام اچھی طرح سمجھیں۔ اور پورا فائدہ اٹھا سکیں قیمت ۴ر

لغات القرآن :- قرآن شریف کے جملہ الفاظ کی فہرست بترتیب حروف تہجی۔ ہر ایک لفظ کے اصل اور بامحاورہ معنی بڑی تحقیق و تدقیق سے درج کئے گئے ہیں۔ اپنی قسم کی پہلی تصنیف۔ جلد کپڑے کی سادہ نہایت خوش وضع۔ پشتہ پر سنہری حروف میں نام کتاب کندہ ہے۔ قیمت ۱۲ر

المشتہر مینیجر اخبار وکیل امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

پہلی قسم نصرانیت کے بیان میں

عیسائیت میں علم اور مدنیت کی مٹی خراب تھی

مصر کے مشہور رسالہ الجامعہ نے اپنی جلد سوم کے آٹھویں نمبر میں "ابن رشد" اندلسی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لوگوں کی اس بارہ میں مختلف رائیں ہیں کہ علم اور فلسفہ کو اپنے آس پاس اور زیر سایہ جگہ دینے میں آیا مذہب عیسوی نے زیادہ لطف و کرم اور شرح صدر سے کام لیا ہے یا اسکی نسبت مذہب اسلام نے اسرار کائنات پر نظر رکھنے والے حکماء کا زیادہ خلق و مروت اور حلم و شفقت سے خیر مقدم کیا؟ اور اعلیٰ درجہ کی مہمان نوازی سے پیش آیا ہے؟ الجامعہ لکھتا ہے کہ "جو لوگ مذہب عیسوی کو علم اور اہل علم کے ساتھ بہتر سلوک کرنے والا کہتے ہوں وہ یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ۔ والٹر۔ ڈیڈرو۔ روز۔ اور رے نن وغیرہ فلاسفہ مغرب نے بہت سی باتیں مذہب اور عقائد دینی کے خلاف کہی تھیں لیکن ان کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا اور نہ کسی نے انپر ذاتی حملہ کیا۔ مگر ابن رشد اندلسی نے باوجود کہ اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں کہی، بلکہ محض ارسطو کے سابق اقوال ہی کو کسی قدر تصریح کے ساتھ واضح کر دکھایا تھا جس سے اسکے ذاتی اعتقاد میں کوئی فتور نہیں پڑا تھا۔ پھر بھی عام مسلمانوں نے اسکی سخت اہانت کی۔ اسکے منہ پر تھوکا گیا اور اسپر سخت حملہ کیا گیا۔ اور اسی طرح سے جو

لوگ اسلام کے حلم وبردباری کی وسعت ثابت کرنا چاہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے کسی پیرو کے عقیدہ میں ذرا بھی خلل پاتے ہی اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ زندہ جلا دیا جائے لیکن مسیحیت نے اس قسم کے بیشمار حکم دیئے ہیں۔"

پھر الجامعہ نے پہلی رائے رکھنے والوں کی طرف سے خود ہی یہ جواب الجواب بھی پیش کر دیا ہے مگر جن لوگوں کی رائے میں اسلام نے علم اور اہل علم کے ساتھ نرمی و چشم پوشی کا سلوک کیا ہے۔ اُن کے مخالفین اُن سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ۔ آیا ایسا سلوک صرف اپنوں اور قریبی لوگوں ہی کے ساتھ ہونا چاہئے یا اپنے اور بیگانے دونوں کے ساتھ؟ پھر کیا تمہیں وہ فسادات اور لڑائیاں یاد نہیں رہیں جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور اُن کے حکام کے مابین دینی اعتقادات کی بنا پر ہوئیں اور جنہوں نے اُن کی قومی طاقت کمزور کر دی۔ اور اُن میں پھوٹ ڈالدی۔ اسلئے اگر ایک شخص سے برسر جنگ ہو کر اُسکو قتل کر دینے کا نام انسانیت سے جنگ کرنا۔ رکھدیں۔ تو کیا یہ بات جائز ہے۔ مگر ایک جماعت کا دوسری جماعت سے لڑنا اور ایک قوم کا دوسری قوم سے پرخاش رکھنا اور برسر مقابلہ آنا اس قسم کی لڑائی میں شمار نہیں کیا جا سکتا؟۔

پھر رسالہ مذکورہ لکھتا ہے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی ایک قول کو دوسرے پر کوئی ترجیح و فضیلت دینا نہیں چاہتے۔ لیکن ساتھ ہی وہ دو فقروں میں اسپر الگ الگ صاف ریمارک بھی کر گیا ہے جو حسب ذیل ہیں :۔

اوّل۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی تمدنی حکومت اور دینی تسلط از روئے شرع دونوں ایک دوسرے سے موافق ہیں کیونکہ مسلمانوں کا حاکم عام اُنکا خلیفہ رسولؐ بھی ہوتا ہے۔ بنا بریں بنسبت مسیحی طریقہ کے اس طریقہ میں درگذر کرنا بہت سخت دشوار ہے اس لئے کہ مسیحیت نے دینی اور دنیاوی حکمرانی میں بہت لطیف طور سے فرق کر دیا ہے جو اہل دنیا کے لئے شہریت اور حقیقی تمدن کا رستہ صاف بنا رہا ہے۔ اور یہ فرق ایک ہی کلمہ کے ذریعہ سے کیا گیا ہے چنانچہ بائبل شریف میں آیا ہے:

"قیصر کا جو قیصر کو دو اور خدا کا خدا کو"

لہذا اگر اس طریقہ مسیحیت میں دنیاوی حکومت دینی حکومت کو کوئی ایسا موقع دے جس سے وہ افراد ملت کے خاص اور شخصی عقاید کی حریت پر سخت گیری کرے یا اُن کو قتل کر کے اُنکے پاک اور بیگناہ خون سے

زمین کو رنگین بنائے تو یہ بات انسانیت کے گلے پر کند چھری پھیرنے کے ہم معنی ہوگی۔ اس اعتبار سے جبکہ عیسویت کے طریقہ میں کوئی نقص ظاہر ہوتو اُسکی درگذر اسلام کی درگذر سے بڑھی ہوئی نہ رہے گی۔ اور گو عیسویت نے یہ نقص اپنے ساتھی (اسلام) کے نقص سے اخذ کیا ہے تاہم سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جو شخص ایک کام کو بخوبی پورا کرنے پر قادر ہو وہ اپنے آپ میں کسی نقص کو داخل کرلے"

اور **دوسرے** یہ کہ "علم اور فلسفہ نے مسیحیت کے روک ٹوک کو اب تک مغلوب رکھا۔ اسی لئے یورپ کی سرزمین میں علم وحکمت کا پودہ سرسبزی اور نشو ونما پاکر تمدن جدید کا مزہ دار پھل بھی لایا۔ مگر اسلامی سخت گیری نے علم وحکمت کو کبھی سر ہی نہ اُٹھانے دیا۔ اور یہ بات اس امر کی واقعی دلیل ہے کہ نصرانیت نے علم کے راستہ میں بہت زیادہ آسانیاں پیدا کیں"

اجمالی جواب

ہم سر دست اِن دونوں باتوں کی اجمالی تردید مناسب سمجھتے ہیں اور بعد میں اسپر تفصیلی بحث بھی کریں گے۔ پہلی بات کا جواب یہ ہے:۔ اگر انجیل نے ایک ہی کلمہ سے دینی اور دنیاوی حکومت کے مابین فصل اور فرق کیا ہے تو اسکے بالمقابل قرآن شریف نے بھی ایک تو نہیں مگر دو ہی بڑے جملوں میں ہر ایک شخص کی رائے کو پوری آزادی عطا کردی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ پارہ سوم۔ رکوع ۲ میں آیا ہے:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝	دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں۔ سیدھا راستہ گمراہی کے راستہ سے واضح ہوگیا ہے اسلئے جو شخص بت پرستی سے منکر ہوکر خدا پر ایمان لائے تو اُس نے گویا ایسی سچی کو مضبوط پکڑ لیا ہے جو کسی طرح ٹوٹ ہی نہیں سکتی اور اللہ سننے جاننے والا ہے۔

اور سورۂ کہف۔ رکوع ۱۵۔ پارہ ۱۶ میں آیا ہے:۔

"وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر"	اور کہدو (اے پیغمبر) کہ سچی بات تمہارے خدا کیطرف سے ہے جسکا دل چاہے مانے اور جسکا دل چاہے نہ مانے۔

دوسرے امر کے متعلق ہم معترض سے یہ کہتے ہیں کہ۔ ذرا ہمیں یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ علماء کہاں ہیں جن پر سختی کی گئی۔ عام اور معمولی اہل علم کو ہم نہیں دریافت کرتے۔ بلکہ اس سے ہماری یہ مراد ہے کہ جو علماء، واٹر۔ ڈیڈرو۔ اور روز وغیرہ کے ہم پلہ ہوں انہیں دکھا کر یہ بتاؤ کہ اُن پر کیا سختی اور کیا ظلم کیا گیا؟۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مصر ایک اسلامی ملک ہے اور اسکی حالت بھی عالم پر آشکارا ہے اسلیئے اگر تم مسیحیت اور علم کی حالت پر کوئی شاہد مانگتے ہو تو ذرا اسی دیر کے لئے مملکت سپین کی کیفیت پر غور کرو اور پھر کوئی منصفانہ رائے قایم کر کے ہمیں بتاؤ کہ تمنے کیا دیکھا؟۔ آج مصر میں عیسوی مشنوں کے بہت سے مدارس موجود ہیں جنمیں جزویٹ۔ فرانز۔ اور امریکن تمام مشنوں کے دینی مدارس ہوں گے۔ اور ان میں سینکڑوں مسلمان بچے تعلیم پارہے ہیں۔ خاصکر جزویٹ کے مدارس تو بالکل دینی مدارس ہیں اور وہاں بھی مسلمانوں کے لڑکے پڑھتے ہیں لیکن اسی کے بالمقابل اسلامی دینی مدارس پر نگاہ ڈالو تو ممکن نہیں کہ ان میں ایک بھی عیسائی طالب العلم نکل آئے حالانکہ اُن مدارس میں کسی غیر مذہب وملت کے طالب علم کو لینے سے انکار نہیں کیا جاتا۔ ہاں سرکاری مدارس میں البتہ جہاں مذہبی تعلیم کا کوئی جزو شامل نہیں عیسائیوں کے بچے بھی پڑھتے دیکھے جائیں گے معترض صاحب ہی بتادیں کہ کیا کبھی کسی باپ پر اس بارہ میں سختی کی گئی ہے کہ اُس نے اپنا بچہ عیسائی مدارس میں تعلیم پانے کے لئے کیوں بھیجا جنکے مہتمم اور معلم سب غالی پادری لوگ ہوتے ہیں؟ کیا آج یہی امر اس بات کی کافی دلیل نہیں کہ اسلام نے تحصیل علم کے لئے پوری پوری آزادی اور آسانیاں عطا کی ہیں؟۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں مسلمان مسیحی اخبارات کے خریدار ہیں۔ مگر اسلامی اخبارات کے خریداروں میں عیسائیوں یا دیگر غیر مسلموں کا نام شاذونادر ہی پایا جاتا ہوگا۔

افسوس یہ ہے کہ میرا موضوع کلام نہایت محدود ہے ورنہ میں کہہ سکتا تھا کہ آج مصر میں دو گروہ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کی تعداد ہزاروں تک پہونچی ہوئی ہے اور ان کو مسلمان ہونے کا دعوٰے بھی ہے گو اُن کے عقاید وخیالات اور اصول اسلام میں ذرا بھی تطابق نہیں یہاں تک کہ توحید اور تنزیہ عن الحلول کا عقیدہ بھی اُن میں نہیں پایا جاتا وہ اسلام کے قطعی اور

صریح فرائض سے منکر ہیں۔ اور مسلمان علمائے انہیں مرتد اور زندیق تسلیم قرار دیکر انکا ذبیحہ کھانے اور اُن کے ساتھ شادی بیاہ کرنے سے منع کر دیا ہے اُن میں سے جو شخص توبہ کرے اُسکے قبول توبہ کے بارہ میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے لیکن باین ہمہ نوسو سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پڑوس میں رہتے سہتے چلے آتے ہیں۔ ایک عرصہ تک اُس زمانہ میں مسلمانوں کے زیر حکومت بھی رہچکے ہیں جبکہ اسلام اپنے اوج اقتدار پر تھا۔ یہ فرقے ترکوں کی حکومت میں بھی اُسی حالت میں داخل ہوئے اور اُس وقت ترکی قوت و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ شاہ فرانس اُن سے کمک کا خواہاں ہوتا تھا۔ مگر یہ فرقے جنکو مسلمانوں نے بے دین اور مرتد قرار دیا تھا اور جو عقاید و اعمال اور طرز عبادت وغیرہ میں مسلمانوں سے بالکل جداگانہ تھے۔ برابر قایم رہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کے دوستانہ اور ہمسائیگی کے تعلقات رہتے چلے آئے حالانکہ اگر مسلمان اپنے عہد عروج میں چاہتے تو اس چھوٹی سی جماعت کا بالکل فنا کر ڈالنا اُنکے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ کیا معترض صاحب تاریخ میں بھی اسکی کوئی مثال بتا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔

مگر چونکہ میرا موضوع کلام محدود ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہدیا ہے اسلئے میں اُسکے دائرہ سے باہر نہیں جاتا اور اپنے خیال کے مطابق مجملاً اُسپر گفتگو بھی کر چکا ہوں۔ لیکن چونکہ معترض (در سالہ الجامعہ) نے اپنے قول میں ایک چوٹ یہ بھی کی ہے کہ "آیا ایسا نرمی کا برتاؤ صرف اپنوں کے ساتھ ہی واجب ہے یا اپنوں اور بیگانوں دونوں کے لئے ہے؟" اسلئے مجھے اسپر بھی گفتگو کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نہ اس غرض سے کہ اُسکے ہر دو اقوال پر میں نے جو حکم لگایا ہے اُسکے بارہ میں تحقیق حق کی کوشش کیجائے بلکہ بدیں خیال کہ میرے تفصیلی جواب میں ناظرین کے سامنے اہل دین کی علمی حالت کا نقشہ کھنچ جائے۔ اور نقشہ بھی ایسا جس سے علی وجہ البصیرۃ کوئی حکم لگانا آسان ہو۔

تفصیلی جواب

الجامعہ نے اپنے کلام میں چار باتیں بیان کی ہیں جنکو میں باعتبار اُنکے مراتب کے ترتیب وار لکھتا ہوں:۔

اوّل مسلمانوں نے اپنے ہم مذہب اور ہم قوم اہل نظر کے ساتھ تو اچھا برتاؤ کیا۔ مگر بیگانوں سے نہیں۔ ✣

دوم مسلمانوں کے چند گروہ بسبب اختلاف عقاید آپس میں لڑتے مرتے رہے۔ ✣

سوم۔ علم کے لئے اعانت و سہولت بہم پہنچانے کا مادّہ مذہب اسلام کی طبیعت ہی میں نہیں پایا جاتا لیکن دین مسیحی میں یہ خوبی بالطبع موجود ہے۔ ✣

چہارم۔ اہل یورپ نے مذہب مسیحی کی اسی آسانی کے طفیل تمدن جدید سے فایدہ اٹھانیکا موقع پایا۔ پس مجھے ان اُمور پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ امر دوم کچھ زیادہ بحث طلب نہیں اِس لئے میں پہلے اُسی کو لیتا ہوں :۔

مُسلمانوں میں اختلاف عقاید کی وجہ سے جنگ ہونیکی تردید

عقاید کے اعتبار سے مسلمانوں میں سلفیین (عقیدہ سلف صالحین پر عمل کرنیوالے) اور اشاعرہ کے دو فرقے اہل سنت والجماعت تھے۔ مگر باوجود باہمی اختلافِ عظیم کے ان میں ہرگز جنگ و جدال تک نوبت نہیں پہنچی۔ اور نہ کبھی اسلامی تاریخ میں یہ سُنا گیا کہ اہل سُنت کے ان دونوں فرقوں اور فرقۂ معتزلہ کے مابین لڑائی ہوئی ہو حالانکہ اہل اعتزال اور اہل سُنت کے عقاید میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسی طرح یہ بھی کبھی نہیں سُنا گیا کہ فلاسفہ اہل اسلام کے گرد کچھ لوگوں کی جماعتیں فراہم ہو کر باہم مصروف جنگ ہوئی ہوں یا دوسرے مسلمانوں سے لڑی ہوں۔ البتہ چند لڑائیوں کا ذکر پایا جاتا ہے جو خوارج کی لڑائیوں کے نام سے مشہور ہیں جیسے فرقہ قرامطہ وغیرہ کی جنگ لیکن ان لڑائیوں کا سبب اختلاف عقاید ہرگز نہ تھا۔ بلکہ قومی حکومت کے طریقہ میں سیاسی آرا کی باہمی کشمکش ان خونریزیوں کا موجب ہوئی۔ نیز خارجی لوگوں نے خلفاء سے اسلئے لڑائیاں نہیں لڑیں کہ وہ اپنے عقیدہ کو فروغ دیں بلکہ اُنکا مقصد صرف طرز حکومت میں مناسب انقلاب و تغیر کرنا تھا۔ اسی طرح بنو ہاشم اور بنو امیہ کے مابین جس قدر خونریز معرکہ ہائے کارزار گرم ہے وہ سب بھی اختلاف عقاید کی وجہ سے نہیں بلکہ خلافت کے لئے تھے اور پولٹیکل جنگوں سے مشابہ کیا بلکہ دراصل پولٹیکل چال پر ہی مبنی تھے۔ ✣

ہاں آخری زمانوں میں کچھ لڑائیاں ایسی بھی ہوئیں جنکو دینی عقاید کے اختلاف پر مبنی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ وہ لڑائیاں ہیں جو حکومت ایران اور حکومت عثمانیہ۔ یا حکومت عثمانیہ اور وہابی لوگوں کے مابین ہوئی ہیں۔ تاہم ایک محقق شخص بادنےٰ تامل سمجھ سکتا ہے کہ ان لڑائیوں کی غرض بھی پولیٹیکل معاملات ہی تھے۔ اور اسکی دلیل یہ کہ آج باوجود اختلاف عقیدہ کے دولت ایران اور دولت علیہ۔ یا دولت علیہ اور ابن الرشید امیر وہابیین کے مابین گہرے دوستانہ تعلقات قایم ہیں ؞

رہیں وہ خانہ جنگیاں اور اندرونی لڑائیاں جو بنو عباس کو اپنی خلافت قایم ہوجانے کے بعد لڑنی پڑیں اور جنکی وجہ سے قوم کو دائمی کمزوری کا روگ لاحق ہوگیا۔ اُن لڑائیوں کا منشاء اور وجہ اصلی عمال حکومت کی بدنیتی۔ طمع نفسانی اور خودغرضی تھی۔ اور یہ سب اُمور اسلئے پیدا ہوئے کہ انکو دینی عقائد سے کوئی تعلق نہ تھا یہ تو وہ جانتے ہی نہ تھے کہ مذہب کے لئے اُنھیں کیا کرنا ہے خود تو احکام مذہبی اور مصالح دینی سے نابلد تھے ہی مگر اور جاہلوں کو بھی اپنے ساتھ ملاکر خراب کرتے تھے۔ مسلمانوں کے قومی جسم میں سب سے بڑی مُہلک بیماری اُسی وقت داخل ہوئی جبکہ اُنکی عنان حکومت جاہل اور خودپسند لوگوں کے ہاتھ میں گئی۔ پس اسی جہالت نے اُنکی عقل کو تاریک اور اُن کی ہمتوں کو پست کردیا۔ وہ نادان حکام جنکو میں نے جاہل کہا ہے فی الحقیقت اَن پڑھ یا اُمی محض نہ تھے۔ بلکہ سنگدل۔ خودپسند۔ نفس پرست اور ایسے سخت مزاج لوگ تھے جنکے دلوں نے اسلام کی پاکیزہ تہذیب کا کوئی اثر ہی قبول نہ کیا تھا اور جنکے آئینہ قلوب پر اسلامی عقاید کا عکس تک نہ پڑا تھا۔ ورنہ اگر خداوند کریم مسلمانوں کو کوئی ایسا حاکم نصیب کرتا جو دینی اصول سے بخوبی واقف ہوتا اور اُن سے احکام دین کی پابندی کراتا تو آج مسلمانوں پر یہ تباہی ہرگز نہ آتی۔ اور اُن کے ایک ہاتھ میں قرآن کریم ہوتا تو دوسرے میں اگلے پچھلوں کے اکتشافات اور قوانین کا خلاصہ قرآن کو وہ اپنی عقل کا رہنما بنالیتے اور مجموعہ اکتشافات عالم سے دنیا کے کام سنوارتے۔ پھر ہم دیکھتے کہ انہیں کون مٹا سکتا تھا۔ خیر۔ ہمکو حکام سے کوئی بحث نہیں ہمیں تو یہ کہنا ہے چنانچہ بلاخوف تردید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مابین کسی عقیدہ کے اختیار یا ترک کرنے پر کبھی کوئی مشہور لڑائی نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں معترض نے یہ خارج از بحث مسئلہ چھیڑکر ہمیں اسکے متعلق کچھ کہنے پر مجبور کیا ہے ورنہ اصل گفتگو تو اس بارہ میں تھی کہ مذہب اسلام نے تحصیل علم کی اجازت دی ہے یا نہیں؟

نہ کہ اس بارہ میں کہ ایک اعتقاد کے پابندوں نے دوسرے عقاید کے پابندوں سے کیا سلوک کیا ہے۔ ورنہ ہم عیسائی فرقوں کی باہمی اور دوسری قوموں سے جنگ کے اتنے شواہد پیش کر سکتے ہیں جس سے معترض رسالہ کے کالم سال تمام تک سیاہ ہوا کریں تب بھی بحث ناتمام ہے۔ قیصران روم کے عہد میں خاص شہر قسطنطنیہ میں آرتھوڈوکس اور کیتھولک فرقوں کا باہمی کشت وخون۔ برتلمی سینٹ ہلیر کا حادثہ اور اسمیں کیتھلک عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو انکے گھروں میں گھس گھس کر جوروں بچوں سمیت قتل کر دینا۔ اور ایسے ہی بیسیوں واقعات ہیں جنہوں نے مسیحی انسانیت کے چہرہ کو داغدار کر رکھا ہے۔ میں ان کو کہاں تک گنا سکتا ہوں۔ مگر کیا کوئی شخص ایک بھی ایسا واقعہ بتا سکتا ہے جو مسلمانوں میں باوجود باہمی سخت اختلاف عقائد کے واقع ہوا ہو؟ ہرگز نہیں۔

مسلمانوں کا ہر ایک قوم کے اہل علم اور اہل نظر کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنا۔

میں نے ابتدا میں اپنے مبحث کی جو چار شقیں قائم کی تھیں ان میں سے دوسری شق پر ضروری بحث ختم کرنیکے بعد اب پہلی شق کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اسپر بہ نسبت امر ثالث کے قیل وقال کی ضرورت کم ہے۔ میں غیر مسلم قوموں کے حکما پر اسلام کی مراعات واحسانات ثابت کرنے کے واسطے مسلمان مؤرخین سے استشہاد نہیں کرونگا۔ بلکہ وہی باتیں پیش کرونگا جو عیسائی مؤرخین اور فلاسفہ نے اپنی کتابوں میں مستند طور پر درج کی ہیں اور میں عیسائی وغیرہ اقوام غیر کی ایک ایسی عظیم الشان جماعت کا ذکر کرونگا جنہوں نے خلفاء اور خواص وعوام اہل اسلام کی نگاہوں میں وہ اعزاز حاصل کیا جو اور لوگوں کو ہرگز حاصل نہیں ہوا۔

امریکا کا ایک مشہور مؤرخ اور نامور فلاسفر مسٹر ڈریپر لکھتا ہے: "زمانہ خلفاء میں اگلے مسلمانوں نے نسطوری نصاریٰ اور یہودی عالموں کا صرف معمولی اعزاز واحترام ہی مدنظر نہیں رکھا بلکہ انہوں نے بہت سے اہم اور بڑے بڑے کام ان لوگوں کے سپرد کئے اور انہیں سلطنت کے اچھے اچھے معزز عہدے دیئے یہاں تک کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے تمام مدرسوں کا اعلیٰ نگران (ڈائرکٹر جنرل) جنا مسنیہ (یوحنا ابن ماسویہ) نام مشہور عالم کو بنا دیا تھا۔" پھر یہی فاضل مؤرخ

ایک اور جگہ لکھتا ہے: "باوجود اسکے کہ خلفار خود بڑے ذہین صائب الرائے اور بلند نظر تھے لیکن اونہوں نے اپنے مدارس کا انتظام کبھی نسطوری المذہب علمار کے ہاتھوں میں رکھا اور کبھی علمائے یہود کو تفویض کیا۔ وہ اس بات کو کبھی نہیں دیکھتے تھے کہ عالم کس ملک میں پیدا ہوا۔ اور کہاں اُس نے زندگی بسر کی۔ نہ یہ خیال کرتے تھے کہ اُسکا دین ومذہب کیا ہے۔ بلکہ وہ صرف اُسکے علم اور معرفت کا مرتبہ دیکھتے تھے۔ سب سے بڑا عباسی خلیفہ ماموں الرشید کہتا ہے "حکمار لوگ خلق اللہ میں برگزیدہ مخلوق اور خدا کے بندوں میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اونہوں نے نفس ناطقہ کے فضایل حاصل کرنے اور اپنی قوتوں کو دنیا کی آلودگیوں سے برطرف رکھنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کی ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کی روشنی اور اُسکے قوانین کے واضع ہیں۔ اور اگر حکمار نہوتے تو تمام دنیا جہالت اور وحشت کے تاریک غار میں جا پڑتی" پھر یہی عالم ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے "اہل عرب نے اپنے یہودی طبیبوں اور اپنی اولاد کے نسطوری المذہب ادیبوں کا لشکر ساتھ لیکر علم وفلسفہ کی مملکت پر حملہ کیا اور جتنے عرصہ میں وہ ملکی فتوحات اور تیغ زنی کرتے ہوئے رومن قلمرو کی آخری حدود تک پہونچے تھے اُس سے کہیں جلد علم وفلسفہ کی سرحدوں کو فتح کرلیا۔" میں اس مقام پر اُن مدرسوں۔ صد خانوں اور کتبخانوں وغیرہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کرنا چاہتا جو مسلمان خلفار اور تاجداروں نے قائم کیے تھے کیونکہ اس وقت یہ امر ہماری بحث سے خارج ہو مگر انشار اللہ آگے چلکر اسکا کچھ ذکر ہوگا۔

اُن حکما اور علمائیں سے چند لوگوں کے نام اور حالات جو خلفا کے دربار میں باریاب ہوئے

جن حکمار کو خلفار کے درباروں میں خاص رسوخ حاصل ہوا اُن میں سے "جیورجیس ابن بختیشوع" جندیساپوری خلیفہ منصور کا طبیب تھا۔ یہ شخص بڑا اعلیٰ درجہ کا عالم اور حکیم مانا گیا ہے۔ خلیفہ منصور کی نگاہوں میں اسکی عظمت کو اسلئے اور ترقی ہوئی کہ اسکی بیوی بہت سن رسیدہ تھی۔ خلیفہ منصور نے یہ خبر سنکر از راہ مہربانی طبیب موصوف کے پاس تین بڑی خوبصورت لونڈیاں بھیجدیں جن کو اُس نے یہ کہکر واپس کردیا "میرا مذہب مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ جبتک میری بیوی زندہ ہے میں کوئی اور شادی کرسکوں۔" خلیفہ منصور نے یہ معاملہ دیکھ کر

جیورجیس کا مرتبہ اپنے وزیروں سے بھی بالا کر دیا۔ اور جس وقت جیورجیس بیمار ہوا تو خلیفہ نے حکم دیا کہ اُسے دربار عام میں اُٹھا لائیں۔ پھر خود پیادہ اُسکی عیادت کے لئے گیا۔

جیورجیس نے خلیفہ سے اپنے وطن جانے کی اجازت مانگی تاکہ اگر مر جائے تو اپنے باپ دادا کے ساتھ ایک ہی قبرستان میں دفن ہو سکے خلیفہ نے اُس سے کہا "تم اسلام کیوں نہیں لے آتے تاکہ چھٹے جنت میں چلے جاؤ" جیورجیس نے جواب دیا "مجھے اپنے باپ دادا ہی کے ساتھ رہنا پسند ہے خواہ جنت میں ہوں یا دوزخ میں" خلیفہ منصور یہ بات سُن کر بے اختیار ہنس پڑا اور اُس نے حکم دیا کہ جیورجیس کو اُسکے وطن روانہ کر دیا جائے اور دس ہزار اشرفیاں بطور امداد و انعام عطا کیں۔ حالانکہ منصور بخل اور کفائیت شعاری کے ساتھ بدنام کیا جاتا ہے۔ نیز خلیفہ نے اُن لوگوں کو جو اس طبیب کے ساتھ جاتے تھے ہدایت کی کہ اگر وہ راستہ ہی میں مر جائے تو اُسے حسب وصیت اُسکے آبائی قبرستان میں لیجا کر دفن کرنا۔ اور جیورجیس سے دریافت کیا کہ اُسکے بعد شاہی طبیب کی جگہ کسکو دیجائے۔ جیورجیس نے اپنے ایک شاگرد عیسیٰ بن شہلاثا کو پیش کیا۔ اور منصور نے وہ عہدہ اُسی کو دیا لیکن اُس شریر نے پادریوں اور دینی بطریقوں کو ستانا اور اپنے اُس رسوخ سے جو اُسے بارگاہ خلافت میں حاصل تھا ڈرا کر اُن سے اپنے حسب خواہش کچھ باتیں منوانے پر زور دینا شروع کیا۔ مگر خلیفہ کو اس بات کی خبر لگ گئی تو اُس نے عیسیٰ کو اُسکے منصب سے معزول کر دیا۔

اِسی خلیفہ کے دربار میں "نوبخت" اور اُسکا بیٹا "ابوسہل" دونوں باوجود آتش پرست ایرانی ہونیکے شاہی منجم کے منصب پر فائز رہے۔ پھر ابوسہل کی اولاد مسلمان ہو گئی اور وہ سب اعلےٰ درجہ کے منجم اور علم الافلاک کے ماہر تھے۔

خلیفہ مہدی کے پاس تیوفیل ابن توما نام ایک عیسائی منجم کی جو لبنان کے رہنے والے فرقہ مارونی کے مذہب کا پابند تھا کئی اعلےٰ درجہ کی تاریخی تصانیف موجود ہیں۔ اور اس نے ہومر شاعر کی کتاب کا یونانی زبان سے سریانی میں نہایت فصیح ترجمہ کیا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں بختیشوع طبیب اُسکا بیٹا جبریل اور یوحنا بن ماسویہ نصرانی سُریانی ان سب عالموں کو بہت بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ آخر الذکر یوحنا بن ماسویہ کو خلیفہ رشید نے

علم طب اور دیگر فنون کی قدیم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور کیا تھا اور وہ رشید کے زمانہ سے لیکر متوکل کے عہد تک یہی خدمت انجام دیتا رہا۔ حنا ابن ماسویہ اپنے مکان میں درس اور مناظرہ کی ایک شاندار مجلس ترتیب دیا کرتا تھا۔ اور جس طرح کی مجلس مذاکرہ۔ ہر علم و فن اور ہر ایک زبان کے علم ادب۔ پر بحث کرنیکے لئے حنا ابن ماسویہ کے مکان پر منعقد ہوتی تھی ویسی اور کوئی مجلس شہر بغداد تو کیا تمام اسلامی قلمرو میں کہیں نہیں ہوتی تھی۔

مامون رشید ہی کے ایام میں ایک اور عیسائی فاضل مسمیٰ۔ یوحنا بطریق جو مامون کا مصاحب اور گہرا دوست تھا علوم طب اور فلسفہ کی کتابیں ترجمہ کرنے پر ابن مقرر کیا گیا۔ سہل بن شاپور۔ اور اُسکے بیٹے شاپور کی باوجودیکہ یہ دونوں عیسائی تھے بہت کچھ قدر کیجاتی تھی شاپور بن سہل جندیسا پور کے شفاخانہ کا اعلیٰ طبیب مقرر کیا گیا تھا۔

خلیفہ معتصم باللہ عباسی کا طبیب سلمویہ بن بنان نصرانی نہایت معزز و محترم تھا جس وقت اُسکا انتقال ہوا ہے خلیفہ نے اُسکا سخت ماتم کیا اور حکم دیا تھا کہ اُسے عیسائیوں کے طریقہ پر دفن کیا جائے جسکے مصارف خزانہ عامرہ سے دلوائے گئے۔

حکیم بختیشوع بن جبریل ایک دن خلیفہ متوکل کے پاس گیا۔ یہ شاہی طبیب تھا۔ خلیفہ نے اُسے اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ بختیشوع رومی حریر کی قبا پہنے تھا جسمیں پہلو کے قریب تھوڑی سی سیون کُھل جانے سے ایک سوراخ پیدا ہو گیا تھا خلیفہ باتیں کرتا جاتا تھا اور اُس شگاف کو اُنگلی سے چھیڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ سیون کُھلتے کُھلتے خلیفہ کی انگلی چولی سے نیچے اور دامن کے قریب تک پہونچ گئی۔ اسی اثنا میں خلیفہ متوکل نے طبیب مذکور سے دریافت کیا "تمہیں یہ کیونکر معلوم ہو جاتا ہے کہ خبطی اور سودائی شخص اب قید و بند میں رکھنے کا محتاج ہو گیا ہے" بختیشوع نے جواب دیا "ہاں جبکہ وہ اپنے طبیب کی قبا کو فضول طریقہ پر چھیڑ کر چولی تک پھاڑ ڈالے تو ہم اُسے فوراً رسیوں میں جکڑ دیں گے"۔ خلیفہ متوکل یہ جواب سنکر ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔

متوکل ہی کے عہد میں ارسطو وغیرہ حکمائے یونان کی کتابوں کا مشہور مترجم حنین بن اسحاق نصرانی عبادی بڑا ذی مرتبہ شخص گذرا ہے خلیفہ متوکل نے اُسکی صداقت کا امتحان

کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑا باہمت اور اولوالعزم شخص ہے مشکلات سے نہ گھبرانا اور مصائب میں ثابت قدم رہنا اسکی فطرت میں داخل ہے۔ اسلئے خلیفہ نے خوش ہو کر اسکو بہت بڑی بڑی وسیع جاگیریں عطا فرمائیں اور چونکہ وہ مامون الرشید کے عہد میں فصیح انشا پردازی اور خوبی ترجمہ میں مشہور ہو چکا تھا۔ حالانکہ وہ اُسکے عین شباب کا زمانہ تھا۔ مگر چونکہ اس نے اسی عمر میں ترجمہ کی عمدہ مہارت پیدا کر لی تھی۔ اسلئے متوکل نے اُسے ترجمہ کتب کی خدمت پر مامور کر دیا اور جس قدر وہ ترجمہ کرتا تھا انہی اوراق کے برابر سونا تول کر اُسکو عطا کیا جاتا۔ حنین بن اسحاق اور طیفور نصرانی کے مابین رشک و حسد کی آگ مشتعل ہو گئی تھی جسکا انجام یہ ہوا کہ اُسقفوں (لاٹ پادریوں) کی مجلس میں حنین پر شرکت کنیسہ سے خارج اور محروم کر دیئے جانے کا حکم لگایا گیا۔ اسلئے حنین اپنے ہم مشربوں کی سخت گیری کے غم میں کوفت اُٹھا کر مر گیا۔ اُسے خلیفہ کے دربار میں جو عزت و مرتبت حاصل تھی اُسکے مقابلہ میں خاص اپنے بھائی بندوں کا ایسا ذلیل برتاؤ اُسے سخت ناگوار گذرا اور یہی رنج اُسکے لئے زہر قاتل بن گیا اُسکا رقیب طیفوری بھی خلفاء کے دربار میں مقرب تھا۔

خلیفہ راضی کے عہد حکومت میں متی بن یونس نصرانی نسطوری کو شاہی دربار اور تمام خاص و عام سب کی نگاہوں میں خاص عزت و اقتدار حاصل ہوا۔ یہ بڑا زبردست منطق کا عالم اور جملہ علوم عقلیہ کا ماہر کامل تھا۔ ابو نصر فارابی نامی مسلمان حکیم نے علوم عقلیہ میں اسی کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔ بغداد کے سر آمد فلاسفہ میں متی بن یونس آخری شخص تھا۔ وہ دیر قنی کا رہنے والا تھا۔ اُس نے مار ماری کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پائی اور روفائیل اور بنیامین سے جو دونوں یعقوبی مذہب کے پابند اور مشہور فاضل راہب تھے اس نے بہت کچھ پڑھا تھا۔

اسی پر قسطا بعلبکی عیسائی تھا۔ مگر خلفاء کا مقرب اور حکومت اسلام کا فلاسفر مانا گیا ہے خلفائے عباسیہ نے اُسکو بغرض ترجمہ کتب بغداد میں طلب کیا تھا۔ پھر یحیی بن عدی بن حمید بن زکریا منطقی جو خاتم المنطقین گذرا ہے اور اپنے وقت میں علوم حکمیہ کا سب سے بڑا فاضل مانا گیا۔ وہ متی بن یونس اور ابو نصر فارابی دونوں کی شاگردی میں رہ چکا تھا۔

انہی لوگوں میں سے ابو الفرج بن الطیب نامور فیلسوف اور عالم بھی تھا جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ جاثلیق[1] کا سر رشتہ دار اور بغداد کے عیسائیوں میں بہت ہی سر برآوردہ شخص تھا

[1] جاثلیق بطریق کے بعد عیسائی مذہبی پیشواؤں کا ایک عہدہ ہے جو اسلامی ممالک میں ہوا کرتا تھا۔ (فرائد اللغۃ فی الفروق)۔

وہ شفاخانہ عضدی میں جو عضد الدولہ دیلمی کا بنایا ہوا تھا مطب کیا کرتا اور شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا کا ہمعصر تھا۔ شیخ الرئیس اُسکے علاج معالجہ اور طبی قابلیت کا تو مدح ہے مگر اُسکے فلسفہ کا قائل نہیں چنانچہ اُس نے ابوالفرج پر چند دندان شکن اعتراض بھی کئے ہیں۔

اسی طرح جن لوگوں کو تمام خاص و عام اور خلفائے اسلام عزت کی نظروں سے دیکھتے تھے ان میں سے ایک شخص مشہور طائفہ صابئین (ستارہ پرست) کا عالم "ثابت بن قرۃ حرانی" بھی ہے اس نے نامور عالم علم فلک محمد بن موسیٰ بن شاکر کے گھر میں تربیت پائی اور علوم فلسفہ میں جو پایہ اسے حاصل تھا وہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوا منطق طب۔ اور ریاضیات میں اسکی بہت سی تالیفات موجود ہیں اسکو خلیفہ معتضد کے دربار میں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ اسکے سامنے وزیروں کی بھی بات نہیں چلتی تھی۔ ثابت بن قرۃ مقام حران میں ۲۱۱ھ میں پیدا ہوا۔ اسکے بعد اس کے دو بیٹے ابراہیم اور سنان بھی اپنے باپ ہی کے قدم بقدم چلنے والے نکلے۔ اور اُسکے پوتوں میں ابوالحسن ثابت بن قرۃ بڑے پایہ کا عالم ہوا۔ ثابت۔ ابراہیم۔ اور سنان تینوں صابی مذہب رکھتے تھے مگر انکی عزت اور قدر و منزلت مسلمانوں کی نظر میں یہ کچھ تھی جو اوپر ہدیہ ناظرین کی گئی ہے حتیٰ کہ بہت سے مسلمان شعراء نے باوجود اختلاف مذہب کے انکی مدح سرائی بھی کی ہے۔ +

میں رسالہ الجامعہ کو اُن غیر قوم و غیر مذہب علماء اور فلاسفہ کے نام کہاں تک گناؤں جن کو اسلام نے کشادہ دلی کے ساتھ اپنے سایہ عاطفت میں لیا تھا۔ اور اُن سے رعایت یا انکی عزت و احترام کرنے میں کچھ بھی مضائقہ نہیں کیا۔ اور اگر اسے منظور ہو تو میں بات پوری کرنے کے لیے اُن بیشمار مسلمان حکما اور فلاسفہ کا بھی ذکر سناؤں جو خلفاء اور تاجداروں کی خدمات میں بڑے بڑے معزز عہدوں اور مناصب پر فائز ہوئے۔ یا جنپر مسلمان حکمرانوں کی خاص نظر عنایت ہوئی۔ مسلمان فلاسفر ابی یوسف یعقوب الکندی کا حال محتاج بیان نہیں۔ وہ شہر بصرہ کے اصلی باشندوں میں سے امیر اسحٰق کا فرزند تھا۔ امیر اسحٰق ایک عرصہ تک خلیفہ مہدی اور رشید کیطرف سے شہر کوفہ کا حاکم رہا۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معزز صحابی اشعث بن قیسؓ کی نسل سے تھا۔ ابی یوسف یعقوب علم طب۔ فلسفہ۔ ہیئت اور حساب کا زبردست فاضل

ہونیکے علاوہ فن موسیقی میں بھی بخوبی ماہر تھا۔ اُس نے بھی دوسرے مسلمان و غیر مسلم علما کیطرح ترجمۂ کتب قدیمہ کا کام کیا۔ اور قدیم فلسفہ یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں اس طرح ترجمہ کیں کہ اُن کے دقیق اور مشکل مقامات کو شرح و بسط سے حاشئے چڑھا کر حل کر دیا۔ ابی یوسف یعقوب کو خلیفہ مامون معتصم اور اُسکے فرزند احمد بن معتصم کے درباروں میں بہت بڑی عزت حاصل تھی۔ ایسے ہی موسیٰ بن شاکر کے بیٹوں محمد۔ احمد اور حسن کا نام بھی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے کرہ ارض کی مساحت اور اُسکا محیط و قطر دریافت کرنے میں بے نظیر محنت برداشت کی۔ اور خلفاء اور اُمراء کے ہاں انہیں جو اعزاز نصیب ہوا۔ وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ شیخ الرئیس ابن سینا کا خود اُسکی قوم میں کیا درجہ تھا؟ تاریخ سے اسکا بخوبی پتہ چل سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شمس الدولہ کا وزیر ہوا۔ فارابی نے سیف الدولہ بن حمدان کے دربار میں جو رسوخ پایا وہ بھی قابل لحاظ ہے۔

ہاں جن لوگوں کی سوانح عمریاں رسالہ الجامعہ شایع کیا کرتا ہے اُن میں بھی۔ ابی العلاء معری کا ذکر بلا شبہ قابل اندراج ہے۔ اس زبردست عالم کے اقوال والٹر اور روز کے اقوال سے بھی زیادہ آزادانہ اور فلسفیانہ رنگ میں بڑھے ہوئے تھے۔ مگر اُس نے بستر مرگ پر کروٹیں لے لیکر جان دی جسکی قبر آج مخلوق کی زیارتگاہ ہے عقیدہ کی خرابی کے الزام میں اُسے کوئی ضرر نہیں پہنچایا گیا۔

بہر حال اس قدر حالات بیان کرنیکے بعد ہمارا خیال ہے۔ کہ رسالہ الجامعہ کے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلام جس کشادہ دلی سے اپنوں کا پاس۔ لحاظ کرتا تھا ویسے ہی بیگانوں پر بھی نظر مرحمت رکھتا تھا۔ شاید ہم سے یہ پوچھا جائے کہ وہ میزان و معیار کیا ہے جسکی رو سے اسلام کا اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ یکساں حسن سلوک جانچا اور بیان کیا گیا ہے؟ تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ میزان علماء کی علمی قدر دانی ہے۔ میں اپنے مہربان ایڈیٹر رسالہ الجامعہ کو ایسا لکھنے میں ایک طرح معذور بھی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس عنوان پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اُنہوں نے مسلمانوں کے بعض حوادث کو اپنے پیش نظر پاکر یہ تصور کر لیا کہ ان واقعات کی بنیاد دینی عقاید کا اختلاف یا مذہبی جوش کی تحریک ہے۔ حالانکہ بات یہ نہ تھی۔ بلکہ اُنکا اصلی سبب یا تو احمقانہ طرز حکمرانی۔ یا اندھی جہالت۔ یا بعض کمینہ اور بیوقوف عمال حکومت کی سوء تدبیر کو قرار دے سکتے ہیں۔ بہر حال میں زیادہ طول کلام سے بچکر اب تیسرے امر کیطرف متوجہ ہوتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مذہب اسلام اور مذہب عیسوی کی طبیعتوں میں مقابلہ کیا جائے

اور یہ مضمون اگلے دو عنوانوں اور آخر یعنی چوتھے عنوان سب سے اہم اور قابل توجہ ہے۔ +

دین مسیحی کی طبیعت اور اُسکے اُصول

تمہید الجامعہ کا گمان ہے کہ مذہب مسیحی نے دینی اور دنیاوی حکومتوں کے مابین قرار واقعی فیصلہ کر دیا ہے۔ اسی لئے اُسکی طبیعت میں درگذر کا مادّہ پایا جاتا ہے۔ مگر مذہب اسلام میں یہہ اُصول رکھا گیا ہے کہ بادشاہ و حکمران ہی دنیاوی حاکم اور دینی خلیفہ دونوں منصبوں کا جامع ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسکو درگذر کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں مِل سکتا۔ +

ہم کہتے ہیں کہ ان ہر دو مذاہب کی طبیعت اور علم یا اپنے کسی مخالف عقیدہ کے ساتھ انکی درگذر وغیرہ کا بیان کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا جو رسالہ الجامعہ نے لکھا ہے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے ارکان اور وہ اہم اصول بیان کئے جائیں جو تمام مذہبی فروعات اور عقائد کے مرجع ہیں اور پھر اُنہی سے اصل حقیقت کا پتہ لگے۔

ہر ایک مذہب کے کسی اُصول کی خوبی یا خرابی معلوم کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے کہ اُس مذہب کے پیروؤں کی اُس اصول مذکور سے متعلق بعض ظاہری عادات یا بدعات کو بھی معیار قرار دیا جائے جو شاید اونہوں نے کسی دوسرے مذہب سے اخذ کی ہیں۔ پس جس وقت کسی دین کے کسی اُصول پر حجت قائم کرنیکے واسطے اُس دین کے پیروؤں کا کوئی قول یا فعل پیش کرنا منظور ہو تو اُن لوگوں کے قول و فعل سے بحث کرنی چاہئے جو اُس مذہب کے زمانہ آغاز سے بہت زیادہ قریب تھے اور مذہب کی تعلیم خود بانی مذہب سے بالکل اصلی اور سادہ حالت میں حاصل کر چکے تھے۔ اسی واسطے جو مشہور اناجیل آج عیسائیوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں اُنہی کے اقوال ہم مذہب عیسوی کے اصول بیان کرتے ہوئے سنداً پیش کرینگے۔ یا زیادہ سے زیادہ اُن کے ابتدائی ائمہ کے اقوال بھی اسکے بعد یہ دکھائیں گے کہ اُن اُصول پر عمل کرنے سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے وہ مذہب کی طبیعت کے لئے کیا حکم تجویز کرتا ہے۔ +

نصرانیت کی پہلی اصل خوارق اور معجزے ہیں

دین مسیحی کی پہلی اصل اور اُسکا سب سے مضبوط رکن خوارق عادات ہیں۔ تمام اناجیل کو پڑھ جاؤ اُن میں مسیح علیہ السلام کی صداقت پر بجز اسکے اُور کوئی دلیل نہ ملیگی کہ وہ خوارق عادات افعال کر دکھاتے تھے۔ اور انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے ایسے معجزات کی بے شمار تعداد درج ہے۔ پھر مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والوں کے لئے بھی یہی بات صحت دین کی دلیل قرار دی ہے۔ جیسا کہ انجیل متی وغیرہ کے دسویں اصحاح میں مذکور ہے۔ غرضکہ اس دین کے ابتدائی پیروؤں کے تمام اقوال کی پیروی سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اُن کے نزدیک خوارق عادت ہی صحت اعتقاد کے روشن ترین نشان ہیں۔ اور یہ مخفی نہیں کہ خارق عادت ایسا امر ہوتا ہے جو قوانین کائنات اور آئین فطرت کے خلاف وقوع میں آئے۔ اسلئے جب یہ بات مان لیجائے کہ ہر ایک مذہبی گروہ اور پابند دین کیلئے خارق عادت اُمور کا دکھا دینا ممکن ہے تو خود بانی مذہب اور پیغمبر کی کیا خصوصیت رہ گئی؟ اور اُسکے واسطے کون سا خاص حکم دیا جاسکتا ہے؟

انجیل نے تو اسپر اتنا اور بھی اضافہ کر دیا ہے کہ اگر انسان کے دل میں ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ سلسلہ کائنات کو درہم برہم کر سکنے کے لئے کافی ہے جیسا کہ انجیل متی کے سترہویں باب کی دسویں آیت سے ثابت ہوتا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر تمہارے پاس ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو بیشک تم اس پہاڑ سے کہہ سکتے تھے کہ یہاں سے وہاں ہٹ جا۔ اور وہ ہٹ جاتا۔ اور تمہارے نزدیک کوئی چیز غیر ممکن نہ ہوتی" (متی باب ۱۷۔ ۱۰)۔ اور مرقس۔ باب ۱۱۔ آیت ۲۳۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص اس پہاڑ سے کہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر دریا میں جا گر۔ اور اپنے دل میں کچھ شک نہ کرے بلکہ ایمان لے آئے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے ضرور ہو جائیگا تو وہ چاہے جیسی بات کہے اُسکے واسطے ہو کر رہیگی۔ اور ۲۴۔ اسی واسطے میں تم سے کہتا ہوں کہ جس وقت تم نماز پڑھتے ہو اُس وقت جو کچھ تم مانگو اور اُسکی بابت ایمان رکھو کہ اُسے ضرور پالو گے تو وہ چیز تمکو ضرور حاصل ہو جائے گی"

مگر دنیا کی تمام بحث ابحاث اور تحقیقات کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عالم کائنات کے چند مستقل اور

مسلمہ و ثابت شدہ قوانین ہیں نیز یہ کہ علتیں اپنی معلولات میں شرطیں اپنی مشروطات میں۔ اسباب اپنے مسبّبات میں اور محالات اُن امور میں جن کا وجود انکی وجہ سے غیر ممکن ہے ضرور کچھ نہ کچھ ایسے احکام اور اثر رکھتے ہیں جو ہر ایک زمانہ میں اس مذکورۂ بالا اصل کے خلاف ہوں گے۔ اور دنیا کے تمام علوم میں اس قسم کی بحثوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ ہر ایک علم اس اصل کے برخلاف اور اسکا مضاد ہے۔ اور پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جو شخص اسکو مانتا ہوگا وہ کبھی اسباب اور اُن کے مسبّبات میں بحث کرنے کا محتاج ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ اُسکا یہ اعتقاد کہ ہر ایک چیز کا ہونا اور اُسکا یہ ارادہ کہ وہ چیز ہو جائے۔ بس یہی دو باتیں اُسکے حصول مدعا کے لئے کافی ہیں۔ اُسے علم کی طرف سے بالکل مستغنی بنا رہا ہے اور علم اُسکے اعتقاد کا دشمن بھی ہے۔ اسلئے جس وقت علم نے بیچ میں آکر اُسکے عقیدہ کی حکومت کی مزاحمت کی تو یہ مصیبت بڑی مشکل سے برداشت کیجا سکے گی۔ +

نصرانیت کی دوسری اصل دینی مسیحیوں کی مطلق حکومت ہے

عیسائیت کی دوسری اصل وہ دینی حکومت ہے جو مذہبی علماء کو عام اہل ملّت پر دیگئی ہے اور جسکے ذریعہ سے وہ عوام کے عقائد اور دل کے مخفی خیالات کی باگوں پر ہر طرح قابض ہیں جس طرف چاہیں اُنکی باگ موڑ دیں۔ اِس اختیار مطلق کو بائیبل کے حکم سے۔ اور بھی سند اور تقویت مل گئی ہے۔ دیکھو انجیل متی۔ باب ۱۶۔ آیت ۱۹ "میں تجھکو آسمانوں کے ملکوت کی کنجیاں عطا کرتا ہوں اسلئے جس چیز کو تم زمین پر ربط دو گے۔ آسمان پر بھی اُسکو ربط دیدیا جائے گا۔ اور جس امر کو تم زمین میں حل کر دو گے وہ آسمانوں پر بھی حل کر دیا جائیگا" اور اسی انجیل کے باب ۱۸۔ آیت ۱۸ میں آیا ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جن چیزوں کا تم زمین پر ربط رکھو گے اُنکا آسمان پر بھی ربط کیا جائے گا۔ اور جس چیز کو تم زمین پر حل کرو گے وہ آسمان میں بھی حل کر دیجائے گی"

اسلئے مذہب عیسوی میں کاہنوں کا رئیس جس شخص کو کہدے کہ وہ عیسائی نہیں ہے بس وہ دائرہ عیسویت سے خارج ہوگیا۔ اور جسکو اس نے مسیحی قرار دیدیا وہ مذہب کے حلقہ میں داخل ہوگیا

غرضکہ مذہب عیسوی کا عام معتقد اپنے اعتقادات میں ایسا آزاد نہیں ہے کہ اپنی عقل کی ہدایت کے موافق سمجھ بوجھکر اصول مذہب پر عمل کر سکے بلکہ اُسکی دل کی آنکھوں پر اسکے مذہبی سرگروہ کے لبوں نے ایک مضبوط پٹی باندھ رکھی ہے جس سے وہ کسی معاملہ پر نگاہ ڈالنے کی قوت ہی نہیں پاتا اور جہاں کسی امر کی تحقیقات کا ارادہ کرتا ہے۔ فوراً مذہبی حکومت اُسکو روکدیتی اور اپنے ارادہ سے باز رہنے کی ہدایت کرتی ہے۔ اور اگر آج بعض عیسائی اس اصل کو غلط بتانے یا اُسکی صحت میں حیل حجت کرنیکے لئے آمادہ ہوں گے۔ لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پندرہ صدیوں کی طویل مدت تک عیسائیت کا عملدرآمد اسی پر رہچکا ہے۔ +

نصرانیت کی تیسری اصل ترکِ دنیا ہے

ہر دو اصول متذکرۂ بالا کے بعد عیسائیت کی تیسری اصل دنیا سے قطع تعلق کرکے آخرت کی طرف مائل ہونا ہے۔ ہم یہ اصل موجودہ اناجیل اور رسولوں کے اعمال میں صاف صاف موجود پاتے ہیں اور جب کسی اگلی کتاب کو اُٹھاکر مطالعہ کیا جائے تو اس میں بھی یہ اصل ضرور ہی کہیں نہ کہیں ملینگی۔ ان کتب میں اکثر عالم ملکوت کی جانب منقطع ہوجانے اور دنیا سے بھاگتے رہنے کے صریح احکام نظر آئیں گے چنانچہ انجیل متی کے باب ۶۔ ۱۰۔ اور ۱۶ میں ایسے احکام موجود ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

متی باب ۶۔ "تمکو ہرگز یہ قدرت نہیں کہ خدا اور مال دونوں کی خدمت کر سکو۔ ۲۵۔ اسی واسطے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کو محض کھانے پینے کی چیزوں میں مصروف نہ کرو۔ اور اپنے جسموں کو اچھی پوشاکوں ہی کے لئے خاص نہ سمجھو۔ کیا زندگی کھانے سے اور بدن لباس سے افضل نہیں۔ ۳۳ مگر تم پہلے خدا کے ملکوت اور اُسکی نیکی کو طلب کرو۔ اور یہ سب چیزیں تمہارے لئے زیادہ کی جائینگی۔ ۳۴ کل کی فکر نہ کرو۔ کیونکہ کل اپنی آپ ہی فکر کریگا آج کے ہی دن کی بُرائی آج کافی ہے۔"

متی باب ۱۹۔ ۲۳ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کسی مالدار شخص کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا سخت دشوار ہے۔ ۲۴ اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سوئی کے ناکے سے

اونٹ کا نکل جانا بہ نسبت اسکے بہت آسان ہے کہ کوئی دولتمند شخص خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکے۔"

متی باب ۱۰۔ "۹۔ اپنی کمر کے پٹکوں میں کوئی سونا۔ چاندی۔ اور تانبا۔ نہ رکھو۔ ۱۰۔ اور نہ راستہ کے لئے کوئی توشہ دان۔ اور نہ دو کپڑے۔ اور نہ جوتے اور نہ لاٹھی۔ الخ"

اور مذہب عیسوی نے ہی رہبانیت اختیار کرنے اور شادی بیاہ ترک کر دینے کی ترغیب دلائی ہے جسکی وجہ سے انسانی نسل کا انقطاع ہو جاتا ہے چنانچہ انجیل متی میں آیا ہے۔

متی۔ باب ۱۹۔ "اور بہت سے ایسے خصی پائے جاتے ہیں جنہوں نے آسمانی بادشاہت کے لئے اپنے تئیں خصی بنا ڈالا ہے جسکو قبول کرنے کی طاقت ہو وہ قبول کرے۔"

پھر آسمانی بادشاہت کا معاملہ ایسے ایمان کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے جو صحیفۂ کائنات پر نظر کرنے سے الگ تھلگ رہے۔ اسلئے سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص اس اعتقاد کا پابند ہو وہ کسی علم پر غور کرنے سے کیونکر بہرہ ور ہوگا۔ کیونکہ علم کا تو آخرت کے کسی معاملہ میں کچھ دخل ہی نہیں اور دنیا مذہب عیسوی کے پابند پر حرام کر دی گئی ہے؟ لہٰذا اب کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ ایک عیسائی کی تمام تر توجہ نماز اور دل کو ماسوا سے بالکل پھیر کر عبادت ہی میں لگانے پر منحصر اور مبذول رہے گی۔ اور اسکے نزدیک مخلوق الٰہی کے حالات پر غور کرنا ہرگز داخل عبادت نہ ہوگا۔ اس وجہ سے انجیل جس عبادت کی تعلیم دیتی ہے وہ ایمان اور نماز کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ +

نصرانیت کی چوتھی اصل غیر معقول باتوں پر ایمان رکھنا ہے۔

عیسائیت کی چوتھی اصل جو درحقیقت اسکی اصل الاصول اور کیتھلک۔ آرتھوڈکس۔ اور پروٹسٹنٹ ہر ایک عیسوی فرقہ کے نزدیک بلا اختلاف ایکساں مانی گئی ہے یہ ہے کہ ایمان ایک نعمت الٰہی ہے جسمیں عقل کو کچھ دخل ہی نہیں اور دین میں بہت سی باتیں فوق العقل یعنی عقل کی رسائی سے بالاتر ہیں۔ مگر باوجود اسکے اُن باتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ سینٹ انسلم کا قول ہے "تمہیں واجب ہے کہ جو چیز پہلے تمہارے دل پر پیش کیجائے اُسکو بلا غور و تامل مان لو۔ پھر اسکے بعد

جو کچھ تم نے اعتقاد کر لیا ہے اُسکے مفصل طور پر سمجھنے کی سعی کرو" لہٰذا ایمان جو نجات کا واحد وسیلہ ہے عقلی نظر کا کچھ بھی محتاج نہیں نہ اُسکے لئے صحیفۂ کائنات کے اصول سے تطبیق دینے کی حاجت ہے اور نہ اس بات کی ضرورت کہ مومن آدمی اپنے ایمان کی کُنہ دریافت کرنیکا ارادہ کرے! اور مقدس سینٹ انسیلم کا آخری فقرہ "پھر اسکے بعد جو کچھ تم نے اعتقاد کر لیا ہے اُسکے مفصل طور پر سمجھنے کی سعی کرو" انسان کی قدرتی راز جوئی اور فطری خواہش فہم پر احسان رکھنے کے لئے کہدیا گیا ہے تاکہ جب وہ اپنے معتقدات کو بالکل ممنوع الفہم دیکھے تو اُن سے بھڑک نہ اُٹھے۔ ورنہ نجات اور خلاصی پانے کے لئے تو صرف ایمان رکھنا ہی کافی ہے۔ پھر بتاؤ کہ اُس طالب فہم کی مٹی کس قدر خوار ہوگی جسکی کوشش نے اُسے اپنے اعتقاد کے خلاف کسی نتیجہ پر پہنچایا ہو تو گویا مقدس سینٹ نے فہم کے بھی یہی معنے قرار دیئے ہیں کہ مرد مومن اپنے ایمان پر تسلی حاصل کرنے کے واسطے خواہ کوئی ایسی من گھڑت بات بھی بنالے جو اُس اعتقاد کے مفہوم سے منزلوں دور اور الگ ہو۔!!!

نصرانیت کی پانچویں اصل یہ ہے کہ مقدس کتابیں انسانی معاش و معاد دونوں کی تمام ضروریات پر حاوی ہیں

پیروانِ مذہب عیسوی کا پانچواں عقیدہ یہ ہے کہ بائبل کے جو حصے عہد قدیم اور عہد جدید کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن میں ایسی تمام باتیں پائی جاتی ہیں جنکا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے خواہ وہ باتیں دینی عقاید۔ آداب نفس اور اُن اعمال جسمانی سے تعلق رکھتی ہوں جو ملکوت اعلیٰ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے کارآمد ہیں یا اُنکا تعلق اُن علوم سے ہو جو عقل انسانی کے نتائج ہیں اور جن سے وہ جائز فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ "تیرتولیان" جو تیسری صدی عیسوی کے خاتمہ پر مسیحی عقاید کو سب سے اچھے طور پر بیان کرنے والا مانا گیا ہے اور اُس زمانہ تک اس مذہب میں نئی نئی بدعتوں کا کچھ زیادہ اضافہ بھی نہیں ہوا تھا۔ لکھتا ہے "مسیحی مذہب کے عقاید کی بنیاد آسمانی کتابوں پر رکھی گئی ہے۔ اور ان کتابوں کی صحت کی دلیل انکی قدامت ہے۔ یہ کتابیں

"ہومر شاعر" کی تصنیف رومانیوں کے سب سے مشہور تر اور قدیم آثار۔ بلکہ خود رومن حکومت کی بنیاد پڑنے کی تاریخ سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اور زمانہ حقیقت کا مددگار ہے۔ پھر اُن پیشینگوئیوں کا ٹھیک اُترنا جو ان آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ بھی اُنکی صحت پر بڑی بھاری دلیل ہے" بعد ازیں لکھتا ہے "عیسائیوں کے نزدیک ہر ایک علم کی بنیاد بھی کتاب مقدس اور کنیسہ کی تقلید ہیں ہیں خدا نے ہمکو بذریعہ وحی صرف دینی تعلیم ہی عطا کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اُس نے اسی ذریعہ سے ہمیں اُن تمام اُمور کی بھی تعلیم دی ہے جو اُسکے حسب مرضی ہمکو عالم کائنات میں معلوم کرنی ضروری تھے۔ لہذا کتاب مقدس میں علم و عرفان کا اس قدر کافی ذخیرہ موجود ہے جسکا حاصل کرنا انسان کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے" نظر بریں آسمانی کتابوں میں آسمان و زمین اور تمام موجودات عالم یا اقوام عالم کی تواریخ کا جو کچھ بھی ذکر یا بیان ہوا ہے وہ خواہ کتنا ہی معقولات و محسوسات اور مشاہدات سے بعید ہو۔ مگر انسان پر لازم ہے کہ وہ پہلے اُسے ٹھنڈے دل سے مان کر اُسپر ایمان لائے اور اسکے بعد انکو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یعنی پوری طرح مان بھی لیں۔ اور دلوں کو دلیں جگہ دیں۔ چنانچہ کسی فاضل عیسائی کا قول ہے "کتاب مقدس سے فن معدنیات کو مکمل طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے" +

عیسائیت کی چھٹی اصل مسیحی مذہب کے پیرووں اور اُن کے سوا دوسرے لوگوں میں تفریق کرنا ہے

(حتی کہ قریبی رشتہ داروں میں بھی)

یہ اصل جہاں تک معلوم ہوتا ہے سب سے آخری اصل ہے اور یہ انجیل متی کے دسویں باب میں بیان کی گئی ہے۔

متی باب ۱۰۔ آیت ۳۴ "تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ میں زمین پر امن قایم کرنے آیا ہوں میں امن قایم کرنے نہیں آیا بلکہ تلوار دیکر آیا ہوں۔ ۳۵۔ میں اس واسطے آیا ہوں کہ انسان کو اُسکے باپ سے مخالف اور جدا کروں۔ بیٹی کو ماں کا دشمن بنا دوں۔ اور بہو کو ساس سسر دل سے الگ کر دوں"

۳۶۔ اور انسان کے دشمن اُسی کے گھر والے ہیں" اور انجیل کے متعدد مقاموں میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ مسیح کی محبت یا اُنکی عجیبہ ہدایتوں کی تعمیل میں ذرا سا خلل بھی ڈالنا ہلاکت کا موجب ہے۔ اور گو اکثر جگہہ آچکا ہے کہ عذاب آخرت سے چھٹکارا پانیکے لئے صرف ایمان رکھنا ہی کافی ہے لیکن وہ سختی کی روح جو "تم یہ گمان نہ کرو کہ میں امن قائم کرنے آیا ہوں۔ الخ" میں پائی جاتی ہے۔ اسکا اثر ابتدائی زمانہ کے معتقدین عیسویت میں پورا پورا باقی رہا۔ اور انہی آثار پر سے وہ تمام فوائد قربان ہو گئے جو چند دوسری نصیحتوں سے لوگوں سمجھ میں آسکتے تھے۔

ان اُصول کے آثار و نتائج

یہی باعث تھا کہ ابتدائی زمانہ کے عیسائی لوگوں نے مشاغل دُنیا سے چشم پوشی کی اور ایمان وعبادت کو ماسوا سے مستغنی بنا دینے والی چیزیں سمجھکر کسی اور بات کو قابل توجہ تصور ہی نہیں کیا۔ بلکہ اُنکی ساری کوششیں اسی ایمان اور عبادت کی دعوت پھیلانے پر منحصر رہیں جسکے وسائل بھی صرف یہ دو امر یعنی ایمان وعبادت ہی تھے۔ گویا دلیل و مدلول دونوں ایک ہی چیز تھی اور اس وجہ سے اُنکی ہمتیں بالکل پست ہو گئیں۔ چنانچہ جب اُنکی عقلوں میں دنیا کی کسی چیز کا علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوتی تو وہ عہد قدیم کی کتابیں سامنے رکھکر اُسی کی دونوں دفتیوں کے مابین تمام علوم کو منحصر کر دیتے۔ کیونکہ اُن کے خیال میں وحی الٰہی نے عقل کے لئے بطور خود کوئی کام کرنے یا کسی بات پر غور کر سکنے کی ضرورت ہی نہیں رہنے دی تھی۔ پس جو کچھ کام عقل سے لیا جا سکتا وہ صرف اتنا تھا کہ کتاب مقدس کی عبارتوں کو سمجھ لیا جائے۔ مگر اسکے ساتھ ہر ایک ذی عقل کو بھی اُسکے سمجھنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اس خوف سے کہ مبادا کہیں ایمان سلیم میں خلل آجائے کتاب مقدس کے معانی و مطالب کا سمجھنا اور سمجھا سکنا صرف کنیسا کے رئیسوں یعنی دینی عالموں کا حق رکھا گیا تھا (لیکن فرقہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک اہل کنیسہ کے سوا اور سمجھدار لوگ بھی کتاب آسمانی کی تفسیر کر سکتے ہیں) تلوار کی چمک اور عزیزوں دوستوں سے جدا ہو جانیکا خوف مذہب عیسوی کے ان تمام ناقابل برداشت اصولوں کی زحمت لوگوں کو گوارا کرا رہا تھا۔ چنانچہ جہاں کسی شخص کے دل میں کوئی ایسا خیال آتا تھا جو ایمان کے مقررہ امور میں سے کسی امر کا معارض ہو

تو فوراً ہی اُس شخص کے اس خیال کی جڑ کاٹنے پر توجہ کیجاتی تھی۔ اور اس بارہ میں اُسکے ساتھ ذرا بھی نرمی اور مہربانی نہیں کی جاسکتی تھی کیونکہ اس بات کو خود مسیح علیہ السلام نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا تھا جیسا کہ انجیل میں وارد ہوا ہے کہ ایکبار مسیح علیہ السلام سے کسی نے کہا۔

۴۷۔ تمہاری ماں اور بہنیں باہر کھڑی ہیں اور تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ ۴۸۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دیا میری ماں اور بہنیں کون ہیں؟ ۴۹۔ پھر اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ یہ ہیں میری ماں بہنیں ۔!! ایسی ہی اور باتیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص دینِ مسیحی کا اعتقاد رکھتا ہو اُسکے اور اُس شخص کے مابین جو ذرا بھی اِس مذہب کے عقائد سے خلاف ہو قطع تعلق کر دینا واجب ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ ایک بات جو ابتدا میں بہت تھوڑی ہوتی ہے آخر کار بڑھتے بڑھتے بہت بڑھ جاتی ہے چنانچہ ذیل میں ان ابتدائی سختیوں کا وہ آفت خیز نتیجہ دکھایا جاتا ہے جو بحکم طبیعت مرورِ زمانہ کے بعد نکلنا ضروری تھا۔

مسیحی لوگوں کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ سلامتی اسی میں ہے کہ غور و فکر کو چھوڑ کر رضا و تسلیم کو اختیار کیا جائے۔ اور اس امر کو قوت حاصل ہونیکے وقت یہ قاعدہ قرار پاگیا کہ "جہالت خدا ترسی اور پرہیزگاری کی ماں ہے" (اور اکثر عیسائی مذہب اور مسلمانوں کے فرقے آجتک اسی قاعدہ پر چل رہے ہیں جو گذشتہ زمانہ والوں کی وراثت کی برکت کہی جاسکتی ہے!!) غرضکہ تعلیم کا انحصار صرف ان باتوں میں کیا گیا اور کنیسہ کو بجز اسکے کہ جو کچھ ظاہری طور پر ایمان اور اصلاح کے متعلق دعوت دینے کے لئے لازم ہے۔ عام اشخاص کو مزید تعلیم دینے سے روکدیا گیا۔ اس وجہ سے پادریوں کے علاوہ اور تمام لوگ بالکل جاہل اور کندۂ ناتراش نکلے حتی کہ امورِ دین اور اُسکے حقائق و اسرار سے بھی لوگ محض ناواقف تھے۔ یورپ کی جہالت اور لاعلمی کا مشہور واقعہ سنہ ۱۴۵۶ء میں ومدار ستارہ کا ظہور ہے جسکو دیکھکر تمام یورپ میں ایک کھلبلی مچگئی اور اُس نے پاپا (پوپ) سے پناہ مانگی۔ پوپ نے ان کو پناہ دیکر ومدار ستارہ کو دور ہوجانے کا حکم دیا جسکی لعنت سے ڈر کر وہ ستارہ غائب ہوگیا اور پھر چھتیس سال کی مدت دراز تک نمایاں نہ ہوسکا!!

کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ کتاب مقدس کے صریح بیانات اور تعلیمات کے خلاف کوئی رائے ظاہر کرسکے۔ اسی لئے جس وقت "پلاج" نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے

بھی موت کا وجود تھا یعنی قبل اسکے کہ آدم علیہ السلام ممنوعہ درخت کا پھل کھا لینے کے گناہ کے مرتکب ہوں اُس وقت بھی حیوانات کو موت سے سابقہ پڑا کرتا تھا۔ بس ایک شور مچگیا۔ اور اس قدر جنگ و جدال برپا ہوئی کہ شاہنشاہی احکام اس رائے کے ہر ایک معتقد کو قتل کر دینے کے لئے صادر ہوئے۔ چنانچہ مورخ لکھتا ہے "۔ اور اسی طرح یہ اعتقاد کہ آدم علیہ السلام سے پہلے بھی جانوروں کو موت سے سابقہ پڑتا تھا۔ پولیٹیکل جرم قرار دیا گیا"

"جولَ قیصر" کے عہد میں بمقام اسکندریہ بطالسہ اور مصری لوگوں کی تمام کتابیں جلا کر خاک کر دی گئیں۔ پھر اسکے بعد بھی کچھ تھوڑی سی کتابوں کے ضائع کرانے کے لئے جو بطالسہ کے کتب خانہ میں باقی رہگئی تہیں اسکندریہ کے بطریک "تیوفیل" نے شہر میں ہنگامہ اور شورش برپا کرادی اور جب انکو ایک سرے سے تلف کرا دیا اُس وقت خاموش ہوا۔ "اور وسیوس" مورخ کا بیان ہے کہ جب تیوفیل نے شاہنشاہی فرمان اُن کتابوں کے تلف کر دینے کی بابت حاصل کر لیا تو اس کے تقریباً بیس سال بعد خود اس مورخ نے کتبخانہ کی خالی الماریوں کا اپنی آنکھوں مشاہدہ کیا تھا۔

تیوفیل کے بعد اُسکا بھانجا "سیریل" اسکندریہ کا بطریک مقرر ہوا یہ شخص بڑا خوش بیان تھا اور اپنی آتش زبانی سے اس نے تمام قوم کے دلوں پر ایسا قابو کر لیا تھا کہ کوئی شخص اسکے احکام سے سرتابی کر سکے کیا مجال تھی۔ انہی دنوں اسکندریہ میں ایک نوجوان لڑکی "ہیپاتی" نامی علوم ریاضی میں بہت بڑی ماہرہ اور فلسفہ و سائنس کی فاضلہ تھی علوم ریاضیہ کے اچھے اچھے عالم اُس یکتائے روزگار کی صحبت سے فیضیاب ہونے کو جمع ہوا کرتے اور ہمیشہ اُسکی مجلس میں بہت سی باتوں پر بحث ہوا کرتی تھی۔ اور منجملہ اُن کے یہ تین مسئلے خاصکر زیر بحث رہتے۔ ہم کون ہیں؟ اور کہاں جائینگے؟ اور ہم کیا جان سکتے ہیں؟" "سینٹ سیریل" سے یہ حالت نہ دیکھی گئی اور باوجودیکہ وہ لڑکی مسیحی مذہب کی بھی پابند نہ تھی۔ بلکہ اپنے باپ دادا مصریوں ہی کا مذہب رکھتی تھی "سیریل" نے عیسائی قوم کو اشتعال دلانا شروع کیا اور اس قدر بھڑکایا کہ وہ لوگ اُس لڑکی کے تاک میں لگ گئے۔ آخر ایک دن جبکہ وہ بے نظیر لڑکی اپنے مجلس کے مکان کو جا رہی تھی عیسائیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ اور بالکل برہنہ کر کے ویسی ہی ننگی کنیسہ میں لیگئے جہاں اُسے قتل کر کے پھر اُسکے تمام جوڑ بند الگ الگ کر دیئے اور ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر لیا جسکے بعد گوشت

آگ میں جلادیا گیا۔ اس قصہ کا راوی مؤرخ لکھتا ہے :۔ اور "سیریل" سے کسی نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ اس نے بیکس "ہیباتی" کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ نہ رومانی حکومت نے اس معاملہ پر کوئی توجہ کی"

مذہب عیسوی میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں ظاہر ہوا کہ جسکے مقرر کرنے کی کسی فریق نے کوشش کی ہو اور دوسرا فریق اُسپر معترض نہ ہوا ہو تو خون کے دریا نہ بہ گئے۔ اور تمام عیسوی مذہب کی تاریخ ایسے خونی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اُسپر نظر ڈالکر دیکھو کہ اُس وقت سرزمین مصر مختلف عیسائی فرقوں کے خون سے کیونکر رنگین بنی ہے۔ جبکہ کنواری مریم کو معبود اور خدا کی ماں تسلیم کرنے پر باہمی نزاع برپا ہوا تھا۔ یہ بات تو مذہب عیسوی کی طبیعت ہے کہ۔ جو شخص مسیح کی پیروی نہ کرے وہ ضرور ہلاک ہوگا اور جو ہلاک ہی ہوگا اُسے زندہ رہنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ دیکھو اعمال کے پانچویں اصحاح میں اُس شخص کا قصہ جس نے اپنا تمام مال واسباب بیچ ڈالا تھا اور جب وہ مقدس "پطرس" کی خدمت میں حاضر ہوا تو ساری قیمت اُسکے نذر کر دی لیکن کچھ تھوڑی مقدار مقدس پطرس سے چھپا کر اپنے لئے رکھ چھوڑی تھی۔ پھر مقدس پطرس کو حقیقت حال کی اطلاع مل گئی۔ اُس نے اُس شخص کو ملامت کر کے معجزہ سے اُسکی جان بھی نکال لی۔ جسکے بعد اُس آدمی کی بیوی مقدس پطرس کے پاس آئی جو اپنے شوہر کے کچھ مال مخفی رکھنے سے آگاہ تھی مگر اُس نے مقدس پطرس کو خبر نہیں دی۔ جس سے ناراض ہو کر مقدس پطرس نے اُسے بھی بُرا بھلا کہا اور اُسکو آگاہ کیا کہ تیرا شوہر مرگیا ہے۔ چنانچہ وہ عورت بھی اسی صدمہ سے مرگئی"

اسلئے جب خدا کسی آدمی کو خود اپنا کچھ ذاتی مال اپنے پاس چھپا رکھنے اور اُسے رسولوں کو نذر کے طور پر نہ دینے کی سزا میں جان سے مار دیتا ہے تو پھر جو شخص زمین پر خدا کے نائبوں سے مخالفت کرے اور اُن کے اعتقاد میں کوئی نئی نکالے۔ اُسے زندہ رہنے کا حق کیونکر دیا جا سکتا ہے؟۔

پوپ "انوسان سوم" نے رومن کیتھلک عقیدہ سے اختلاف رکھنے والے عیسائیوں کا تمام مال ضبط کر لینے کا حکم دیتے وقت جو تقریر کی تھی۔ اُس میں یہ بھی کہا تھا کہ:۔ اُن منکروں کی اولاد کے لئے صرف اُن کی جان کے سوا کچھ اور چیز نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اور یہ اُنکی جانوں کا چھوڑ دینا بھی نہایت مہربانی اور احسان ہے" کیا اس عبارت میں مقدس پوپ نے منکر کو صرف منکر لوگوں

کی ذات تک محدود رکھا ہے؟ نہیں بلکہ اُس نے صاف طور سے اُنہیں بھی باپ کے گناہوں میں شامل کر لیا۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ اُن غریبوں کو جان کی امان دینا احسان و کرم میں شمار کیا جائے؟ یہی کہ اُن کے باپ منکر دین ہوئے تھے۔ اِس لئے اُن بدبختوں کو بھی زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ +

اشاعتِ علم پر عیسائیت کی روک ٹوک اور بندشیں

قسطنطین اعظم کا عہد مذہب عیسوی کی پوری قوت اور عروج کا زمانہ تھا جسکے بعد وہ قوت ایک عرصہ تک بڑھتی اور ترقی کے اوج پر چڑھتی رہی۔ لیکن اس تمام مدت کی تاریخ مذہب عیسوی اٹھا کر دیکھو۔ کہیں علم اور فلسفہ کا نام تک نہیں نظر آتا۔ ہاں اُن دینی جھگڑوں کے اثناء میں جو کبھی بادشاہوں کے اختیارات سے کام لیکر فیصل کئے جاتے تھے۔ اور گاہے بڑے بڑے جلسے فراہم کر کے تصفیہ ہوتا اور کسی وقت خونریزی اور شمشیر اُن جھگڑوں کو چکاتی تھی آتش علم کے شعلے فرو کر کے محض دین کی اعانت کرنے پر لوگوں کی توجہ منحصر پائی جاتی ہے۔ دیکھنے اور اچھی طرح دیکھنے کی بات تو وہ ہے جبکہ مذہب عیسوی کے پابندوں نے اپنی پڑوسی غیر مذہب اقوام پر اُنکو عیسائی بنانے کی غرض سے چڑھائیاں کیں۔ یا جبکہ یورپ کے حکمرانوں میں رؤسا کنیسہ کے اشتعال دلانے سے باہمی خونریزی کا بازار گرم ہوتا تھا اُس وقت علم و فن کی مٹی کیونکر پلید کی جاتی تھی۔ اور اس بات کو ہر شخص بخوبی جانتا اور سمجھ سکتا ہے جسکو علم تاریخ سے کچھ بھی مس ہو لیکن ہمکو اسکی تفصیل دینے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ یہ بات ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔

البتہ ظہور اسلام اور ملک اندلس میں اسلامی حکومت قائم ہونیکے بعد یورپ میں علم اور مذہب کے مابین ایک طرح کا نزاع برپا ہونا شروع ہوا۔ اور جن دنوں صلیبی لڑائیاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں اُن دنوں اہل یورپ کو مسلمانوں سے زیادہ سابقہ پڑنے کے باعث یہ نزاع اور بھی ترقی پکڑ گیا۔ صلیبی لڑائیوں کی آگ مقدس عیسائی علماء اور رؤسا کنیسہ نے بھڑکائی تھی وہ یورپ کے عیسائیوں سے یہ بیان کیا کرتے تھے کہ مسلمان بت پرست ہیں اور انہوں نے ارض مقدس پر قبضہ کر کے وہاں سے دین توحید (عیسویّت) کو خارج کر دیا اور اُن درندہ وحشیوں (مسلمانوں) نے "یروشلم"

کی پاک سرزمین پر ہر طرح کی خرابی کا بیج بو دیا ہے۔ ایسی باتیں سننے سے یورپ کے نادان عیسائی جوش میں بھر جاتے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں حمایتِ صلیب اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے واپس لینے کے لئے جہاد کی نیت سے ملک شام کی طرف آتے رہتے تھے۔ مگر جب یہ مجاہدین اپنے ملکوں کو واپس گئے تو انہوں نے اپنی قوم سے بیان کیا کہ ان کے دشمن (مسلمان) دیندار۔ مؤحد۔ اہل مروت۔ دوست نواز۔ وفا پرور۔ اور حسن معاشرت میں یکتائے روزگار ہیں۔

پھر جیسا کہ امریکن فیلسوف لکھتا ہے۔ خلیفہ "حکم ثانی" نے ملک اندلس کو جنت نظیر بنا دیا تھا جہاں یہودی اور عیسائی دونوں مذہب کے لوگ امن و آزادی کے زیر سایہ عیش و مسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مشہور علامہ "لیطرس" لکھتا ہے کہ اس نے بہت سے یوروپین علماء کو ملک اندلس میں علم فلک کی تحصیل کے لئے آتے دیکھا۔ یہاں تک کہ انگلستان تک سے علم و ہنر کے پیاسے اسی علمی سرچشمہ پر آکر سیراب ہو جاتے تھے۔ یہ طالب علم چاہے جس ملک سے آئیں مگر اندلس میں ان کو ہر طرح کی آسائش نصیب ہوتی تھی۔ اور خلیفہ کا محل تو گویا کتاب سازی کا کارخانہ تھا۔ جہاں ہر وقت کتابیں نقل کی جاتی رہتی تھیں۔ کہیں انپر سونے کی جدولیں بنائی جاتیں اور کسی طرف جلد بندی ہوا کرتی۔ غرضکہ اسی طرح "لیطرس" نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔

اسکے بعد اہل عرب کی ایجاد نے کاغذ سازی کو ترقی دی۔ اور اسکے کچھ زمانہ بعد سنگ چھاپہ کا انکشاف لوگوں کے لئے اظہار خیالات میں موجب سہولت ہوا۔ علم و ہنر کے قاصد یعنی یورپ کے طالبان علوم سپین کے علمی سرچشمہ سے سیراب ہو کر اپنے ملکوں میں واپس گئے تو انہوں نے اپنی قوموں کو زیور علم و حکمت سے آراستہ بنانے پر توجہ کی۔ تاں بعد اہل یورپ کی عقلوں میں فلسفہ کی ایک نئی روشنی چمک دکھلانے لگی۔ جسکو یورپ میں فلسفہ ابن رشد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے بس پھر کیا تھا مسیحیت نے علم سے فوراً لڑائی ٹھان دی۔ جہاں کسی کی زبان سے کوئی بات کتب مقدسہ کے نص صریح کے خلاف یا کنیسہ کی حدود تقلید سے متجاوز نکلی۔ یا سنا گیا کہ فلاں شخص یوں کہتا ہے۔ اور اسکی شامت آگئی۔ "ڈی رومنیس" نے کہا کہ :۔ قوس قزح (دھنک) خدا کی جنگی کمان نہیں ہے جسکے ذریعے سے جب وہ چاہتا ہے اپنے بندوں سے انتقام لیتا ہے۔

بلکہ یہ صورت پانی کے باریک قطروں میں آفتاب کی روشنی کا عکس پڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔
بس فوراً ہی اس روشن خیال عالم کو گرفتار کرکے "روما" کی جانب روانہ کر دیا گیا جہاں وہ قید میں
پڑا پڑا مر گیا۔ مگر اسپر بھی عیسائی پیشوایانِ مذہب کو صبر نہ آیا یہاں تک کہ مرنیکے بعد اس بدبخت
عالم کی لاش اور کتابیں فتوے سے دیکر آگ کی نذر کر دی گئیں۔ فتوے دینے کی وجہ یہ قرار دیگئی
کہ اس نے "روما" اور "انگلستان" کے کنیسوں میں باہمی صلح و صفائی کرا دینے کا قصد کیا تھا
اور حق یہ ہے کہ اس گناہ سے بڑھکر کوئی اور گناہ کیا ہو سکتا تھا؟ بے شک یہ گناہ قوس قزح کو
پانی کی باریک بوندوں میں تابش آفتاب کے انعکاس کا نتیجہ بتانے سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔

چھپی ہوئی کتابوں کی نگرانی اور تفتیش کا محکمہ۔

چھپی ہوئی کتابوں پر سخت نگرانی قایم کی گئی۔ ہر ایک
مؤلف اور چھاپنے والے پر ضروری تھا کہ وہ پہلے
اپنی تصنیف کردہ کتاب یا جس کتاب و مضمون کو وہ
چھاپنا چاہتا ہے پادریوں یا اس مجلس کو دکھا دے جو نگرانی کے لئے متعین ہوئی تھی۔
مجمع مقدس نے حکم صادر کر دیا کہ جو شخص بغیر نگران کی منظوری کے کوئی کتاب یا کاغذ شایع کریگا
اسکو بہت بھاری سزا دی جائے گی اور نگران افسر کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جس کتاب میں
کیتھولک عقیدہ کے مخالف کوئی بات بھی پائی جائے وہ ہرگز نہ چھپنے پائے۔ مالکان مطابع
پر بصورت کسی غیر منظور شدہ کتاب چھاپ لینے کے بہت بھاری جرمانہ ہونیکے علاوہ اُن کو
کنیسہ کی جماعت سے بھی خارج کر دیا جاتا تھا۔

یہ محکمۂ تفتیش مطبوعات کا مخصوص علم اور فلسفہ کی روک تھام کیلئے قایم کیا گیا۔ کیونکہ جب
قاضی "ابن رشد" اندلسی کا فلسفہ اُسکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی کوششوں
سے دنیا میں پھیلنے لگا تو خاصکر بلاد فرانس کے جنوبی حصہ اور مملکت اٹلی میں ایسا محکمہ قایم کرنے
کی ضرورت پڑی اور پادری "لورکمانیڈا" اسکے قیام کا محرک اول ہوا۔

اس محکمہ نے اپنی خدمات نہایت خوبی سے انجام دیں چنانچہ ۱۸ سال کی قلیل مدت میں
یعنی ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۴۹۹ء تک اس نے ۱۰۲۲۰ شخصوں کو زندہ جلوا دیا۔ ۶۸۶۰ شخصوں کو
تشہیر کرانے کے بعد پھانسی دیگئی۔ اور ۹۷ ہزار ۲۳ شخصوں کو مختلف سزائیں دیں۔ اور آخر میں

تمام عبری زبان کی توراۃ کی کتابیں آگ میں ڈلوادیں۔ اب سوال کیا جائے گا کہ اس محکمہ مقدسہ کے پاس تحقیقات کے وسایل کون کون سے تھے؟۔ صرف ایک وسیلہ مگر اپنے نظر میں فرد یعنی متہم شخص کو پکڑ کے طرح طرح کے تکلیف رساں آلات کے ذریعے سے ایذا دی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ خواہ مخواہ اپنے سر پر لگائے گئے الزام کا اقرار کرلیتا۔ اور اقرار ہوتے ہی حکم اور سزا کا نفاذ چند منٹوں میں ہوجاتا تھا۔ سنہ ۱۵۱۲ء میں "مجمع لاتران" نے قرار دیا کہ جو شخص فلسفہ ابن رشد پر غور کرے اُسکو ملعون کردیا جائے۔ تاہم ذی مقدرت لوگوں اور ہر طبقہ کے شائقینِ علم نے جہاں تک ممکن ہوا فلسفہ ابن رُشد کے انوار سے اپنے دماغوں اور عقلوں کو منور کیا۔ محکمہ تفتیش بھی ایسے بادی چوروں کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ وہ بھی اس بدعت کو ظاہر کرنے اور چاہے کوئی سو پردوں میں اپنے آپ کو چھپائے مگر وہاں سے بھی نکال لانے میں سرگرم رہا۔ کیا شہر، کیا مکانات، کیا تہ خانے، سُرنگیں، مخازن، باورچی خانے، پہاڑوں کے غار، جنگلوں کی جھاڑیاں، کھیت اور کھلیان، غرضکہ کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں علوم و فلسفہ کے قدر دانوں نے پناہ نہ لی ہو اور اپنے تئیں چھپایا نہ ہو۔ مگر مقدس محکمہ کے بھیدی اور مستعد و کارگزار گماشتے اونہیں ڈھونڈھ ہی لاتے تھے۔ اور کیفر کردار کو پہنچا کر ہی دم لیتے تھے۔ اور کیوں نہ ہو "میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ امن قائم کردوں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں" اس کلام حلالت التیام پر عمل کرنے کے لئے دینی غیرت مندوں کو ایسی ہی ہمت و تندہی دکھانی لازم تھی!!۔

پادری اور راہب لوگ گرجا گھروں اور خانقاہوں میں۔ اشراف اپنے محلوں میں۔ تاجر نوسپم کا میں۔ کاریگر کارخانوں میں۔ اور عام لوگ اپنے اپنے گھروں اور کھیتوں میں سے جہاں ملتے پکڑ بلائے جاتے اور محکمہ میں حاضر ہوکر اپنے ذمہ لگائے گئے الزام کی جوابدہی کرتے اور سزا پاتے تھے۔

لاتران کے مجمع نے قرار دے رکھا تھا کہ رومن کیتھلک مذہب کے ضروری عقیدہ کے مطابق لوگ کلیسوں میں آکر پادریوں کے روبرو اپنے اپنے گناہوں کا اعتراف کردیں تو وہ گناہ کی آلودگی سے پاک ہوجائیں گے۔ یہ طریقہ تھا جسکی وساطت سے وہ لوگوں کے عندیہ پر آگاہی حاصل کرکے انہیں مقدس محکمہ کے شکنجہ میں کس لیتے تھے۔ جب کوئی لڑکی یا کوئی بیاہی ہوئی عورت یا کسی کی بہن اتوار کے دن کلیسہ میں اعتراف گناہ کے لئے حاضر ہوتی تو اُس سے اُسکے باپ، شوہر یا بھائی کا عقیدہ دریافت کیا جاتا اور پوچھا جاتا کہ وہ گھر میں کس طرح کی باتیں کیا کرتا ہے اور اُسکے کاروبار کی کیا حالت ہے

اُسکا طرز عمل کیسا ہے؟

یہ سوالات کچھ ایسے پیچدار طریقہ سے کیے جاتے تھے کہ جس شخص کا حال پوچھا جارہا ہے وہ اگر علم مقدس کے سوا کسی دوسرے علم کو حاصل کرتا ہو تو ضرور اُسکا راز کھل جائے اور جہاں ایسے شبہ کا موقع ملا۔ بس فوراً اُسکا مقدمہ مقدس مجمع کے سامنے پیش ہوگیا۔ اب آیندہ کیا ہوتا تھا؟ کیا اُس شخص کو حق تھا کہ وہ اپنے سر چھپے ہوئے الزام کے شاہد طلب کرے؟ کبھی نہیں۔ اسکا کوئی جواب بجز اسکے نہ تھا کہ جان گزا تکلیفوں میں مبتلا کیا جائے جن کے صدمہ و الم سے دق آکر آخر چارہ ناچار الزام کا اعتراف کرلے۔ اور نہنگ اجل کے مُنہ میں کود پڑے!!!

خلاصہ یہ ہے کہ اس مقدس مجمع نے تمام اہل یورپ کے دلوں میں ایسا رعب ڈال رکھا تھا کہ جسکے دل میں علم اور ذہن سلیم سے کام لینے کا ذرا سا خیال بھی آجاتا تھا ساتھ ہی وہ اس بات کو بھی تصور کرلیتا تھا کہ اب اوسکی شامت آگئی اور قید و بند سختی اور مار پیٹ شکنجہ اور گرم آہنی سلاخیں یہ سب چیزیں اوسکو تکلیف دینے کے لئے تیار ہیں۔ لہٰذا اگر اُس نے وہ خیال اُسی وقت دل سے نکالدیا تو اسکی خیر تھی ورنہ کُتے کی موت مرنا ضروری تھا۔ اُس زمانہ کے تمام لوگوں کا قول تھا کہ، تقریباً یہ ایک محال امر ہے کہ آدمی مذہب عیسوی کا پابند ہو اور پھر بستر پر پڑا ہوا اپنی موت سے مرے" +

اس محکمہ نے اپنے قایم ہونیکے دن یعنی ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۸۰۸ء تک ۳۲۷ سال کے عرصہ میں تین لاکھ چالیس ہزار جانیں ضائع کیں جن میں تقریباً دو لاکھ آدمیوں کو زندہ آگ میں پھونک دیا گیا۔

مسیحیت کا یہودیوں مسلمانوں اور عام اہل علم پر ظلم و ستم توڑنا۔

چونکہ مقدس پادریوں کے گمان میں یورپ میں علم اور شخصی آزادی کے سیلاب آنیکا سرچشمہ قاضی ابن رشد اندلس کا مشہور فلاسفر اور مسلمان عالم قرار پایا تھا۔ اور ابن رشد کے حلقہ درس میں زیادہ تر یہودی طالب علم شریک ہوتے تھے جو اپنے فاضل اوستاد کے خیالات پھیلانے کے الزام میں مجرم قرار پائے۔ اور پھر چونکہ ابن رشد خود مسلمان تھا۔ اسواسطے کینسہ کی آتش غضب سے مشتعل ہوکر یہودی اور مسلمان دونوں قوموں کو جلاکر خاک کردیا۔ ۳۰ مارچ ۱۴۹۲ء کو یہ حکم صادر ہوا کہ جو یہودی بپتسمہ لینا قبول نہ کرے اُسکی عمر خواہ کتنی ہی ہو اور وہ جس حالت میں بھی ہو یکم جولائی سنہ رواں سے پہلے پہلے سرزمین سپین سے نکل جائے۔ اور اُن میں جو شخص پھر

اس ملک میں قدم رکھے گا وہ قتل کردیا جائیگا۔ ہاں اُن کو یہ اجازت دیجاتی ہے کہ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں کو فروخت کردیں لیکن اس شرط سے کہ اوسکی قیمت میں سونا یا چاندی نہ لیں (یعنے زر نقد نہ لیں) بلکہ ہنڈیاں اور چک لکھوالیں۔ مگر بھلا اُنکے مال کا خریدار کون ہوسکتا تھا اسلئے کہ جو چیز تین ماہ بعد بلا قیمت اُن کے ہاتھ آتی تھی اُسے قیمت دیکر خریدنا کسکے نزدیک عقلمندی ہوسکتی تھی "توُرکما نڈو" کا حکم تھا کہ اسپین کا کوئی باشندہ اُن یہودیوں کو کچھ بھی امداد نہ دے۔ غرضکہ اس قابل رحم حالت کے ساتھ یہودی لوگ اپنے وطن سے جلاوطن کئے گئے اور وہ بچارے "جان بچی لاکھوں پائے" کہکر سب مال و دولت چھوڑ کے بھاگ نکلے لیکن اسپر بھی ہزاروں راستہ میں بھوکوں مرگئے۔ کیونکہ تنگدستی کے علاوہ سفر کی مصیبت بھی ناقابل برداشت تھی۔

اِس واقعہ کے دسویں سال یعنی فروری سنہ ۱۵۰۲ء میں ہندا کے دشمن مغربی لوگوں (مسلمانوں) کو حکم ملا کہ "اشبیلیہ" اور اُسکے قرب و جوار سے نکل جائیں۔ اُنکے لئے بھی وہی شرطیں قرار دی گئی تہیں جو یہودیوں پر پہلے گذرچکی ہیں جن کے ساتھ ہی ایک خاص شرط یہ بھی رکھی گئی تھی کہ وہ ایسے راستہ سے ہوکر نہ جائیں جو کسی اسلامی ملک کو جاتا ہے۔ خلاف ورزی کی سزا قتل تھی۔ اسلئے بیکس مسلمان سب کے سب اگرچہ تلواروں سے نہیں قتل کئے گئے۔ تاہم موت کے مُنہ میں ڈھکیل کر گویا ہلاک ہی کردیئے گئے۔ کیونکہ اسلامی ممالک میں نہ جائیں تو کہاں جائیں؟ صحرا اور پہاڑوں میں ننگے بھوکے ٹھوکریں کھا کھا کر جان دیں۔

کیا ناظرین اِس بات کو دیکھکر متحیر نہ ہوجائینگے کہ سنہ ۱۶۰۰ء میں "برونو" ایک مدت دراز قید رکھے جانے کے بعد زندہ جلادیا گیا؟ کیوں؟ اسلئے کہ اُس نے وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیہ کے قول کے مطابق بیان کیا تھا۔ زمین کے کروی ہونے کا مسئلہ پہلے پہل مسلمانوں ہی میں ظاہر ہوا۔ خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں اس رائے کا اظہار ہوا تھا۔ اسکو سُن کر کسی شخص کے کان پر جوں تک نہیں رینگی لیکن اس مسئلہ کے ظہور نے عالم نصرانیت میں جو ہلچل پیدا کیا وہ حیز تحریر میں نہیں آسکتا جسکو دیکھنا ہو تاریخ اُٹھاکر دیکھ لے۔

کیا ناظرین اس بات کو سچ مان سکتے ہیں کہ جس وقت کولمبس نے بحر اطلانتک میں کوئی نئی زمین تلاش کرنیکے خیال سے سفر کا ارادہ ظاہر کیا تو کلیسہ نے اس بات کو بہت کچھہ قابل توجہ سمجھکر اسکے

اصول دین سے مخالف ہونیکی رائے قایم کی اور "سلامانک" کے مجمع نے اسکے عدم جواز کا حکم دیدیا۔ گو اسپر دوبارہ غور کیا گیا اور بڑے بڑے نامی عیسوی مذہبی مقتداؤں کے اقوال، رسولوں کے قول۔ اناجیل اور کتب مقدسہ کی پیشینگویاں اسکے متعلق نکالی گئیں لیکن نتیجہ کیا تھا وہی مرغی کی ایک ٹانگ "ناجایز۔ کفر۔ بدعت۔ آخر کینسہ کے خلاف رائے ایک بادشاہ نے "کولمبس" کو مدد دی اور اس نے اپنا عزم پورا کیا جسکا حال تاریخ سے عیاں ہوتا ہے۔ کرسٹوفر کولمبس لکھتا ہے کہ "یہ اپنا عظیم الشان اور جلیل ارادہ ابن رشد کی کتابیں دیکھنے سے اُسکے دل میں پیدا ہوا تھا" اور اب ہم صاف طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ چرچ کی ناراضی کس بنیاد پر تھی کینسہ نے اس اصل کو دانتوں سے پکڑ رکھا تھا کہ "مذہبی علما کے اختیارات غیر محدود ہیں اور عوام پر صرف ان کے اوامر کی پابندی واجب ہے" لہذا ہر ایک ایسی رائے جو زمین و آسمان میں حل و عقد کرنے والے دینی مقتدر سے نہ نکلی ہو۔ باطل اور قابل تردید ہے جہاں تک ممکن ہو اُسے مٹانا چاہیئے۔ یہی باعث تھا کہ "گلیلی" جس نے ستاروں کی گردش موجودہ زمانہ کے علمائے فلک کی رائے کے مطابق بتائی تھی مقدس مجمع کے حکم کی لپیٹ میں آگیا۔ +

کینسہ کی طرف سے ٹیکا لگانے کی روک ٹوک۔

جس وقت متعدی امراض کا ٹیکا ایجاد ہوا تمہیں معلوم ہے کہ کیا آفت برپا ہوئی تھی؟ سنو! یہ طریقہ آستانہ علیہ میں مسلمانوں کے ہاں مدت سے رائج تھا اور انہیں میں سے کسی نے اسکا اکتشاف بھی کیا تھا۔ پھر ایک عورت "ماری مونتاجو" نامی ۱۷۲۱ء میں اس فن کی واقف کار ہوکر اسے یورپ میں منتقل کر لے گئی۔ پھر کیا تھا۔ پادریوں نے زمین سر پہ اُٹھالی اور کہا کہ اسکا استعمال ناجایز ہے۔ آخر اسکو رواج دینے کے لیئے شاہ انگلستان سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ پھر جب چیچک کا ٹیکہ ایجاد ہوا تو اُس وقت بھی پادریوں نے بڑا شور و غل مچایا اور اُسے ناجایز قرار دیا۔ +

تسہیل ولادت کی روک تھام

اسیطرح جب ولادت کے وقت عورت کو بے حس بنا دینے کی تدبیر سوچی گئی تاکہ وہ بچہ جننے کی تکلیف محسوس نہ کر سکے تو اسکے واسطے بھی پادری صاحبان کی طرف سے یا یوں کہئے کہ چرچ اور

مذہب عیسوی کی جانب سے اس امریکن ایجاد پر یہ اعتراض جڑا گیا کہ یہ امر عورت کو اُس لعنت اور اس سزا سے چھٹکارا دلاویگا جو سفر تکوین (کتاب پیدائش بائیبل) مین اُسکے لئے ضروری بتائی گئی ہے کیونکہ اوسکے تیسرے اصحاح مین آیا ہے "اور عورت سے بخیال کثرت کہا گیا کہ کہ تیری زیادہ تکلیفین تیرا حمل ہی تو درد کے ساتھہ بچے جنے گی +

تمدنی حکومت اور حریتِ اعتقاد کی روک تھام

۱۸۶۴ء مین پوپ روم نے ایک فرمان شائع کیا جسمین درج تھا کہ جو شخص کنیسہ کو دنیاوی حکومت کے ماتحت رہنیکو جائز قرار دے یا اس بات کو جائز سمجھے کہ کوئی شخص کنیسہ کی رائے کے خلاف کتب مقدسہ کی کچھہ تفسیر کر سکتا ہے۔ یا یہ خیال کرے کہ ہر شخص اپنے عقیدہ اور خدا کو ماننے کے بارہ مین آزادی رکھتا ہے یعنی جس طرح وہ خدا کو سمجھتا اور مانتا ہے اوسکے لئے وہی ٹھیک ہے۔ تو ایسے لوگون پر لعنت کیجائیگی۔ اور پوپ ہی کا ایک دوسرا فرمان ۱۸۶۸ء مین شائع ہوا جسمین تحریر تھا کہ اہل ایمان کو کنیسہ کی عظمت اور اوسکا اقتدار قایم رکھنے کے لئے اپنی جانین۔ اور اپنے مال فدا کر دینے واجب ہین۔ اور اُنپر لازم ہے کہ کنیسہ کی مثابت مین اپنی رائے اور اپنے خیالات سے دست بردار ہو جائین بلکہ جو احکام کنیسہ کیطرف سے ملتے ہین اونکو بلا چون وچرا تسلیم کر لین۔ پوپ نے آرتھوڈکس روسیون اور پروٹسٹنٹ دونون کو اس طریقہ سے رومن کیتھلک چرچ کی پیروی کرنیکے لئے ہدایت کی تھی +

۱۸۷۱ء مین سلطنت پرشیا (جرمنی) اور حکومت پوپ (اٹلی) کے مابین ایک یونیورسٹی کالج کے پروفیسر کو اوسکے عہدہ سے برطرف کرنیکے بارہ مین نزاع پیدا ہو گیا۔ اُس پروفیسر نے کوئی ایسا خیال ظاہر کیا تھا جو کیتھلک فرقہ کے مناسب حال اور دلپسند نہ تھا۔ اسلئے پوپ نے اُس پروفیسر کو شرکت کنیسہ سے محروم اور خارج از مذہب قرار دیکر حکومت جرمنی سے اوسکو برطرف کر دینے کی ہدایت کی۔ اور یہ ایک پولیٹکل (سیاسی) پیچیدگی تھی جسپر عمل کرنے مین سخت مشکل آپڑی لیکن پرنس "بسمارک" کے استقلال اور ہمت نے انیسوین[19] صدی کی مدنیت کا

پلہ غالب رکھا اور کنیسہ کی حکومت کو ایسے اُمور مین مداخل کر کے پروٹیسر کو اپنے عہدہ پر قایم رکھا اور محکمۂ تعلیم کو دنیاوی سلطنت کی ماتحتی مین داخل کر لیا۔ +

علمی مجلسون اور کتابونکی روک ٹوک

مین اون علمی مجلسون (اکاڈیمیون) کا کوئی ذکر ہی نہین کرنا چاہتا جو محض انسانی عقلون کو جلا دینے۔ انہین اُنکے فوایدکی طرف ہدایت کرنے۔ اور اُنپر اسرار کاینات کا انکشاف کر کے اُنکی چشم بصیرت کو منور بنانیکے لئے قایم ہوئی تہین اور جنکا اصول یہہ تہا کہ نظری بحث وتحقیقات سے اسرار فطرت کا پتا لگائین اور انسان کو اُنسے اپنے مفید مطلب کام لینے کی ہدایت کرین۔ اس بارہ مین اون علمی مجلسون نے زبانی فرمانروا یعنی کنیسہ سے رائے حاصل کرنا ضروری نہین تصور کیا تہا اور یہی امر ان خدائی فوجدارون کی ناراضی کا باعث تہا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ پوپ کارڈنل اکسمنس نے مقام غرناطہ مین آٹھ ہزار قلمی کتابون کے بیش بہا نسخے آگ مین جلوا دیئے جن مین بہت سے نسخے اون کتابون کے ترجمے تہے جو اس زمانہ مین علمائے یورپ کی علمی تحقیقات اور اکتشافات کے ذریعے شمار کئے جاتے تہے۔ +

فرقۂ پروٹسٹنٹ یا مصلح جماعت

اس مقام پر ممکن ہے کہ کوئی یہہ بات کہہ اُٹھے کہ تم نے جو امور بیان کئے وہ رومن کیتہلک چرچ کے اعمال تہے۔ مگر مذہب عیسوی مین بہت سے مصلح بہی ہوئے ہین جنہون نے مذہب کو اصل مقدس کتابون کی جانب رجوع کرانے مین سعی کی ہے۔ وہ عام پیروان مذہب کو اس بات کی اجازت دیتے ہین کہ کتب مقدسہ پر غور کرو اور اونکا مفہوم سمجہنے کی سعی کرو۔ چنانچہ ظہور اصلاح کے زمانہ سے جبکہ لوگون کے دل ودماغ سوچنے سمجہنے کے واسطے آزاد کر دیئے گئے عام طور پر انسانون نے مذہب کے ابتدائی اصول کیطرف رجوع کرنا شروع کر دیا ہے اور مغرب کی سرزمین آفتاب علم وہنر کا مطلع بنگئی ہے۔ اب وہان علم وفن کے لئے آسانی اور ترقی کا راستہ صاف ہو کر شارع عام بنگیا ہے۔ اور یہ بات سمجہ نہین آسکتی ہے کہ دین کی طبیعت ایسا کرنے کا حکم دیتی

مین اسکے جواب مین اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے بجائے صرف یہی امر لکھدینا مناسب
سمجھتا ہون جو خود پروٹسٹنٹ لوگون نے تاریخ اصلاح مین درج کیا ہے۔ سزائے موت ہمیشہ
ایک ایسا قانون رہا ہے جسکا نفاذ ان لوگون پر ہوتا تہا جو کسی گروہ کے کسی اعتقاد کی مخالفت
کرین۔ "کلفان" جو فرقہ پروٹسٹنٹ کا وہ سرغنہ تہا اُس نے "باشندۂ جینوا" "سیرفت" کو زندہ
جلادینے کا فتوے اور حکم دیا۔ وجہ کیا تہی؟ یہی کہ اُسکے اعتقاد مین "مجمع نیقیہ" کے انعقاد سے
قبل ہی مذہب عیسوی مین کچھہ بدعتین داخل ہو چکی تہین۔ اور وہ کہتا تہا کہ "روح القدس ہی تمام
موجودات کو اپنے اپنے فرائض ادا کرنیکی قوت دیتا ہے" چنانچہ اس جرم کی سزا یہ ملی کہ وہ زندہ
آگ پر بہونا گیا یہان تک کہ بڑی سختیون سے اُسکی جان نکلی۔ اسی طرح سنہ ۱۶۲۹ء مین "فانٹی"
کو بہی آگ مین جلا کر قتل کیا گیا تہا۔

"دیسوٹیر" کو اُس شخص سے بہت سخت عداوت تہی جو ارسطو کے فلسفہ پر غور کرتا ہو۔ یہ مُصلح
اُس عالم اور حکیم کو ناپاک اور کذاب "سؤر" کہا کرتا تہا۔ اور اسی وضع کے اور بہی ناسزا و ناگوار نام دہرتا
رہا۔ کیون نہ ہو۔ یہی غیر متمدنون کی زبان سے اِس قسم کی باتین نکلنی کوئی عیب نہین!!
ہان "کلفان" بہ نسبت "لوتھر" کے اس حکیم کو بہت کم بہلا بُرا کہتا تہا۔ تاہم وہ اسکے ساتھہ
کوئی حسن ظن بہی نہ رکھتا تہا۔ اور نہ اُس شخص کو کچھہ اچھا سمجھتا جو ارسطو کی کتابین دیکھنے مین ساعی
ہو۔ مگر اسی کے بالمقابل مسلمان لوگ ارسطو کو "معلم اول" کے معزز نام سے یاد کرتے ہین۔ اب
سوچو کہ ان دونون حالتون مین کیا فرق ہے!! بیان کیا جاتا ہے کہ۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کے
لوگون نے کتب مقدسہ کے سمجہنے اور اُسکے مطالب حل کرنے مین عام لوگون کو آزادی عطا کی
اونہون نے نجات کی تجارت جو پادریون اور چرچ کی مقدس جماعت نے رواج دے رکہی تہی بنیا
سے مٹادی۔ بُت پرستی کو نابود کیا۔ مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ اونہون نے اس اعتقاد مین ذرا بہی
تغیر کیا ہو کہ تمام انسانی علوم و فنون کی جڑ کتاب مقدس اور صحائف آسمانی ہی ہین اور جس طرح
وہ دینی اُمور کیلئے نور ایمان حاصل کرسکنے کے سرچشمے ہین اُسی طرح دنیاوی اور عقلی علوم و فنون

کا نکاس بھی انہی سے ہے عقل کو ہرگز اس بات کی اجازت نہین مل سکتی کہ وہ ان کتب مقدسہ سے باہر اور کسی امر پر اپنی نظر ڈالے اور نہ کوئی ایسا علم جو کتب سماوی کے احاطہ سے خارج ہو انسانی ضروریات کے لئے سودمند ہو سکتا ہے۔ بہرحال پروٹسٹنٹ لوگون نے مذکورہ بالا چہہ اصولون مین سے کسی اصل کو باطل نہین کیا۔ ہان اتنا کام اونہون نے ضرور کیا کہ دینی پیشواؤن کو اونکی اس حکومت مین غلو کرنیسے روکدیا جو سابق الذکر دوسری اصل کی بنیاد پر حد سے بڑہا دیگئی تہی اسلیئے مذہب اصلاح بہی علم پر کچہہ کم سختی کرنیوالا نہ تہا۔ اور نہ اسکا معاملہ اس بارہ مین کیتہولک فرقہ سے کچہہ بڑہا ہوا ہے۔ بلکہ دونون مذہبون کی ایک ہی طبیعت پائی جاتی ہے جو چہہ اصول متذکرہ صدر پر قایم ہے۔ چنانچہ دونون مذہبون مین عقل و فکر سے کام لینے والون کی سزا قتل و خونریزی کے سوا کوئی اور بات نہ تہی۔

بیشک اگر مین مذہبی مباحثہ کرنے والون مین شامل ہونا چاہتا تو دین مسیحی کے عناصر اور اجزا گناتے ہوئے مین بہی اون لوگون کی طرح جنہون نے صلیبی جنگ کے حالات پر تنقیدی نظر یا کینہ کے مظالم پر نکتہ چینی کی ہے یون لکہدیتا کہ "جو لوگ اپنی عبادت مین خونخواری کو جزو اعظم سمجہتے ہین اونکے نزدیک قتل اور خونریزی کونسی بڑی بات ہے؟ جن لوگون کا یہ اعتقاد ہو کہ نجات کا مقصد ظالمون اور ناخدا ترسون کے ہاتہون ایک بیگناہ (مسیح) کا خون گرنے سے حاصل ہو چکا ہے وہ انسان کی جان لینے مین کب چوک سکتے ہین؟" مگر بات یہ ہے کہ مین اپنی اس بحث مین جدال اور کج بحثی کو چہوڑکر۔ اور الزامی جوابات سے قطع نظر کر کے صرف تحقیقی دلیلین اور واقعی شواہد پیش کرنا چاہتا ہون۔ اور جو کچہہ مین نے لکہا یا آیندہ لکہونگا وہ سب بلا قیل و قال قابل تسلیم ہے۔ کسی کو اسکی صحت مین دم مارنے کی گنجایش نہین۔ *

کیا مسیحیت مین دینی اور دنیاوی حکومتون کے مابین امتیاز کیا گیا ہے؟

اب ہمکو معترض رسالہ الجامعہ کے اس دعوی پر نظر کرنا باقی رہگیا جس مین اس نے کتاب مقدس کی عبارت سے مذہب عیسوی

مین دینی اور دنیاوی حکومتون کا جُدا جُدا ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دکھایا ہے کہ اسی امتیازی فرق کی وجہ سے دین عیسوی کی طبیعت علم و کمال کے لئے آسمانیان بہم پہونچانے مین اپنی آپ نظیر رہی۔ خیر ہم مانے لیتے ہین کہ ظاہر عبارت سے وہی معنی نکلتے ہین جو ہمارے مخاطب نے بیان کئے ہین یا اُسکے سوا اور بہت سے اون لوگون نے بھی ایسی ہی تاویل کی ہے جنہون نے دینی امتیازات اور حکومت کو گھٹانا چاہا تھا۔ مگر اب ہم سوال کرتے ہین کہ جب خود بادشاہ کا دین۔ مذہب سے علم کے ساتھ عداوت رکھنے کا حکم دے رہا ہے تو پھر حکومت کے الگ الگ کرنے کا فایدہ کیا ہوگا۔ ؟ کیا بادشاہ کا اعتقاد اور جو چیز خود اسکی ملک ہے وہ ایسی چیز کو چھوڑ کر جس مین اسکی روحانی نجات ہوسکتی ہے اُسے دنیاوی حکومت و سلطنت کا لحاظ کرنے پر متوجہ رکھیگی ؟ بہت سے بادشاہ ایسے ملینگے جنہون نے اپنے عقاید کی حکومت پر اپنی سلطنت کی بہبودیون کو قربان کر ڈالا ہوگا۔ اور تم یہ بھی مان لو کہ ملکی مصلحتین عقیدہ کی غیر مغلوب طاقت کو زیر کر لیتی ہین۔ اور ہمیشہ سیاسی معاملات مین ملت و مذہب کا کوئی دخل نہین ہونے دیتین۔ وہ ایمان اور جوش مذہبی کو اپنے سامنے دبا ہوا رکھتی ہین۔ اسلئے یہ کہنا درست ہے کہ مذہب نے دو جُدا گانہ حکومتین قایم کی ہین جنمین سے ایک محض دنیاوی معاملات کی حل و عقد کرتی رہتی ہے۔ اور دوسری دنیا و آخرت یا زمین و آسمان دونون جہانون مین بارسوخ اور صاحب حل و عقد ہے تو کیا یہ فاصلہ اُن دونو حکومتون کے باہمی تنازع کی جڑ نہ ہوگا ؟ اور اون مین سے ہر ایک حکومت اس بات کی خواہش نکریگی کہ جو لوگ اون دونون کے زیر اثر ہین اُنپر بلا شرکت غیرے قابض اور حکمران رہے ؟۔ یا کیا دینی حکومت اِس بات کو ٹھنڈے دل سے گوارا کریگی کہ اُسکی رعایا کے جان و مال بلکہ اُن کی عقلون تک پر دنیاوی بادشاہ فانی حکومت کے فواید اور مصالح کا خیال رکھکر جسطرح چاہین تصرف کرتے رہین خصوصًا جبکہ وہ تصرف آسمانی کتابون کے نص صریح اور روحانی پیشواؤن کی تاویل اور اونکے طرز عمل کے خلاف بھی ہو ؟۔ پھر اس صورت مین اگر دینی حکومت دنیاوی

حکومت کو روکنے اور اوسکو اوسکے ارادون سے باز رکھنے پر زور لگائے تو کیا دنیاوی سلطنت اس دخل در معقولات پر رضامند رہے گی؟ ہرگز نہین - اور دینی حکومت کے غالب آنے کے وقت سے اب تک مسیحی دنیا مین یہی خرابی پڑی رہی ہے - +

یہ ایک انہونی بات ہے کہ دنیاوی حکومت دینی حکمرانی کو مغلوب کرکے اُسے ایک خاص حد پر قایم کردے - کیونکہ دینی حکومت کے احکام مؤید من اللہ ہوتے ہین اور اونکا اثر انسانون کے دلون پر محیط ہوکر اُنہین جس طرف چاہتا ہے لے چلتا ہے - اور دنیاوی حکومت کی قوت تو آخر اُنہین انسانون پر منحصر ہے جو طبعًا دینی حکومت کے سامنے سر نیاز جھکاتے ہین ؟ اسلئے دنیاوی بادشاہ دینی حکومت کو اُس وقت تک ہرگز مغلوب نہین کرسکتا جبتک کہ بیشمار وسایل اُسکی قوت اور رسوخ کو کمزور کرنے کے لئے بہم نہ پہنچا لے - البتہ اگر یہ بات ہوسکتی کہ بدن جو دنیاوی حکمران کے زیر اثر ہوتے ہین بلا امداد روح کے جو اونکی مایہ حیات ہے اپنے کاروبار انجام دے سکتے - اور روحین بھی اسی طرح بغیر وسیلہ بدن کے جو اوسکی قوتون کو اُٹھائے رہتے ہین اپنا کام کرسکتین تب تو بلاشبہ جس قسم کی علیحدگی دونون سلطنتون مین قرار دیگئی ہے وہ بآسانی جلوہ گر ہوسکتی اور علم وہنر کے ساتھ ہر طرح کا تسامح بھی ممکن ہوتا - +

علاوہ برین مین دریافت کرتا ہون کہ آیا انجیل کی عبارت کے یہی معنے ہین جو ہمارے معترض نے بیان کئے ؟ انجیل مین جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ تو یہ ہے کہ بعض ظاہر دارون اور منافقون نے مسیح کو دہوکا دیکر اُنہین کسی غلطی مین مبتلا کرنا چاہا - تاکہ جب وہ کوئی خلاف اصول بات کہین تو اون لوگون کو چُغلی کہانے اور بدنام کرنے کا موقع ملے - اسلئے اُس منافق شخص نے مسیح سے سوال کیا - وہ کیا یہ بات جایز ہے کہ ہم قیصر کو خراج دین ؟ مسیح نے جواب دیا - تم مجھے آزماتے کیون ہو ؟ ایک اشرفی میرے پاس لاؤ تاکہ مین اوسکو دیکھون - لوگ ایک اشرفی مسیح کے پاس لے آئے تو مسیح نے کہا - اسپر یہ صورت اور کتابت کسکی ہے ؟ لوگون نے کہا - قیصر کی - تو مسیح نے کہا " جو قیصر کا حق ہے وہ قیصر کو اور جو خداوند کا حق ہے وہ

خداوند کو دو" اب اس عبارت کے وہ معنے جو سیاق قصہ سے عیان ہوتے ہین۔ یہ ہین۔ کہ جن سکّون کے ساتھ تم لوگ باہم معاملت کرتے ہو اُن کے مالک اور بنانے والے نے اگر تم پر کوئی رقم خراج کی مقرر کر دی ہے تو وہ اُسے ضرور دو۔ لیکن تمہارے دل۔ اور تمہاری عقلین۔ اور تمام وہ چیزین جو خدا کی ملک ہین۔ اور جنپر اُسکی صنعت کی مُہر لگی ہے اُن مین سے قیصر کو کچھ بھی نہ دو۔ اور علم پر قیصر کا نہین ہوتا بلکہ خدا کا سکّہ ہے۔ اسلئے علم محض روحانی اور دینی سلطنت ہی کے زیر اثر رہ سکتا ہے۔ دنیاوی حکومت کو اسپر قبضہ کرنے کا کچھ بھی حق نہین۔ اب بتاؤ کہ اس عبارت مین علم کے ساتھ کونسا تسامح پایا گیا؟

مسیح اور مسیحیت کے بارہ مین مسلمانون کا اعتقاد۔

ہم نے یہ جو کچھ دین مسیحی کی طبیعت۔ اور اوسکے مشارب کے حالات بیان کئے اور ابتدائے قیام دین عیسوی سے آج تک اس مذہب کے پیرووں نے طالبانِ علم اور کاملانِ فن کے ساتھ جو سلوک کئے یہ سب خاص عیسائیون ہی کی تاریخی کتابون سے ماخوذ ہین جو اُنہی کے ہاتھون کی لکھی ہوئی ہین یا اُنکی اُن دینی کتابون کی عبارتین ہین جنپر وہ اپنے طرز عمل مین استناد کرتے ہین۔

اب رہی یہ بات کہ خود ہماری اور صحیح العقیدہ مسلمانون کی مسیح علیہ السلام اور مذہب عیسوی کے بارہ مین کیا رائے ہے؟ تو ہم کہتے ہین کہ وہ خیال اُن خیالات سے بالکل جُداگانہ اور مختلف ہے جن کو ناظرین قبل ازین مطالعہ کر چکے ہین۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ مسیح علیہ السلام خدا کی روح اور اوسکے کلمہ اور بنی اسرائیل کیجانب خدا کے رسول بناکر بھیجے گئے تھے۔ وہ تورات کی تصدیق کرتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسی دین سکھلاتے تھے جس مین اونکی دینی اور اخلاقی ہدایتین شامل تھین اور معاد و معاش کے معاملات مین راہ راست پر چلنے کے احکام درج تھے مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے یہ کبھی نہین کہا کہ تم اپنی کسی ایسی قوت کو جو خداوند پاک نے تمہین عطا کی ہے معطل کر دو۔ بلکہ اونہون نے یہی ہدایت کی کہ ان نعمتون اور قوتون کے

عطا ہونے پر خدا کا شکر بجا لاؤ۔ اور شکر بجا لانے کا حق اُسی وقت ادا ہو سکتا ہے جبکہ اُن قوتون کو اون کے موقعون پر صحیح طور سے استعمال کیا جائے۔ ہمکو جناب مسیح علیہ السلام کے جس قدر صحیح حالات معلوم ہوئے ہین اُن مین سے کوئی بات مذکورہ بالا عقاید کے مخالف نہین۔ اسلئے اگر انکی کوئی ایسی بات بھی معلوم ہو جو بظاہر ان عقاید اور اصول کے مخالف پائی جائے تو ممکن ہے کہ ہم اُسکی تاویل کرکے اُسکے معنی ٹھیک کرلین یا اُسکے سمجھنے کا معاملہ خدا پر چھوڑ کر کہین۔ کہ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ

دین الٰہی اگلی اور پچھلی سب قومون اور زمانون مین ایک رہا اور ایک ہی رہے گا۔ ہان اوسکی صورتین اور ظاہری اطوار کسی قدر ایک دوسرے سے الگ الگ ہون گے۔ لیکن اوسکی روح اور وہ ماہیت جسکے ماننے کا حکم انبیاء اور رسولون (علیہم السلام) کی زبانی تمام دنیا والون کو دیا گیا ہے۔ ہرگز بدل نہین سکتی۔ وہ دین الٰہی کی ماہیت کیا ہے؟ خدائے واحد پر ایمان لانا خلوص نیت اور سچے دل سے اُسکی عبادت کرنا۔ نیک کامون مین ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ایک دوسرے کو تاامکان ایذا اور تکلیف نہ پہونچانا۔ اور یہ امر اسکا منافی نہین پڑتا کہ انسانون کی عقلی ترقی اور اُنکے کمال ہدایت کے لئے مستعد ہونے پر دین مین بھی ترقی ہوتی جائے۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلام تمام انسانون کو انہی اصول پر متفق بنانے کے لئے دنیا مین آیا۔ اُسکا اہم فرض یہ ہے کہ اہل کتاب مین جو اختلاف پڑا ہوا ہے اوسکو دور کرکے اُن مین باہمی بھائی چارہ قایم کرنے اور دوستی اور اخوت پر عمل کرنا سکھانیکی سعی کرے اور مسلمان لوگ کئی صدیون تک جیسے جیسے وہ اسلام کے اصولون پر بخوبی قایم رہے اِس بات کے کر دکھانے مین بھی کامیاب پائے گئے۔

اب اگر کوئی شخص یہہ سوال کرے۔ کہ جب خود فضلاء یورپ تمہارے بیان کے مطابق اِس بات کے معترف ہین کہ اُن کے مذہب کی طبیعت ہی علم کے منافی اور اوسکی سخت دشمن ہے تو آخر اس انقلاب کو کیا سمجھنا چاہئے جو آج یورپ کی علمی دنیا مین نظر آتا ہے؟ اور اسے

کیا کہنا چاہئے کہ وہان آج گوشہ گوشہ مین علم کو عام رواج ہو رہا ہے؟ تو ممکنا جواب
دین اسلام کی طبیعت بیان کر دینے کے بعد دیا جائیگا۔ جبکہ یہہ بات دکھلا دی جاوے گی کہ
اسلام مذہب کے ساتہہ کیسا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس طبیعت کا کیا اثر ہوا پھر کن باتون
نے دین اسلام اور اوسکے طرز عمل دونون کے ساتھ لاحق ہوکر اُسکی طبیعت کے اثر پر پچھلے
زمانہ مین گہرا اثر ڈالدیا چنانچہ آگے چلکر ہم اسکا مختصر ذکر کئے دیتے ہین۔

دوسری قسم اسلام کے بیان مین

(طبیعت اسلام اپنے اصل کے اقتضا سے علم کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہو؟)

پہلی اصل کی تمہید

دراصل اسلام دو باتون کی طرف بلاتا ہے۔ ایک خدا کے وجود اور اُسکی توحید کا اعتقاد کرنا۔ دوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سچ ماننا۔ پہلی دعوت مین تمام دارمدار خود انسان کی عقل پر رکھا گیا ہے۔ اُسے ہدایت اور تنبیہ کی گئی ہے کہ صحیفہ کائنات کا مطالعہ کرے۔ قیاس صحیح سے کام لے۔ اور دیکھے کہ دنیا کی ترتیب اور اُسکا انتظام۔ پھر اسباب کا مسببات کے ساتھ وابستہ ہونا اور ہر ایک کام کا مقررہ اصول پر چلتے رہنا یہہ سب باتین ضرور اس نتیجہ پر پہنچاتی ہین کہ دنیا کا کوئی بنانے والا بھی ہے اور وہ بے عیب کاریگر واجب الوجود ہے۔ عالم ہے۔ حکیم ہے۔ اور ہر امر پر قدرت رکھتا ہے پھر اسی کے ساتھ نظام کائنات کی یکرنگی یہ بھی بتاتی ہے کہ وہ صانع مطلق یکتا اور فرد ہے جسکا کوئی نظیر و شریک نہین۔ مذہب اسلام نے انسانی عقل کو اُس کے فطری راستہ پر بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا ہے اور اُسے آگاہ کر دیا ہے کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا۔ رات دن کا پے در پے لانا۔ ہواون کو اس طرح پر چلانا کہ انسان اُنسے اپنے فوائد مین تسخیر فلک کا عمل لے سکے تاکہ وہ ہوائین ابر کو اُٹھا کر لائین اور ابر سے پانی برسے جس سے مردہ زمین زندہ ہو کر خدا کے حسب منشا نباتات اُگائے۔ جو حیوانات کا رزق اور اُن کے

لئے ممد حیات ہونے مین کارآمد ہون۔ یہ سب باتین خدا کی قدرت کاملہ کی نشانیان ہین اور
انسان کو ان باتون پر غور کرنا چاہیئے تاکہ وہ خداشناسی کے مرتبہ پر فائز ہوسکے۔

اسکے علاوہ مذہب اسلام نے انسانی عقل کی مزید تنبیہ کے لئے کائینات کی ایک ایسی
اصل کا بھی ذکر کیا ہے کہ اگر عالم ہستی کے اتار چڑھاؤ پر غور کیا جائے تو اُس اصل کا کسی قدر
راز منکشف ہوسکتا ہے چنانچہ ابتدائے آفرینش مین زمین وآسمان کی جو حالت تھی ذیل
کی آیت مین اُسکا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے :-

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ پارہ ۔ ۱۷ ۔ رکوع ۳

کیا نہین دیکھا اُن منکرون نے کہ آسمان و زمین بستہ (غنچہ کیطرح) تھے پھر ہمنے انکو کھولا۔ اور بنائی ہمنے پانی سے ہر ایک چیز جاندار کیا پھر بھی لوگ ایمان نہین لاتے

یا ایسی ہی اور آیتین بھی ہین جنمین عقل کو آزادی دیگئی ہے تاکہ وہ آفرینش عالم کی حقیقت
معلوم کرنے کے میدان مین اپنی جولانیان دکھا سکے۔ پھر احادیث نبوی مین اس سے بھی بڑھکر
تنبیہ کی گئی ہے جو سمند ناز پر تازیانہ کا کام دیتی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے عرض کیا "آسمانون اور زمین کے قبل ہمارا پروردگار کہان تھا؟" رسول علیہ السلام
نے اُسکو جواب دیا "کَانَ فِیْ عَمَاءٍ تَحْتَ هَوَاءٍ" [۵]

"عماء" اہل عرب ابر کو کہتے ہین غرض کہ قرآن ایسے بڑے مسئلہ مین بھی عقل کو مقید نہین کرتا۔
نہ اسبارہ مین اُسپر کوئی محاسبہ کیا جاسکتا ہے۔ ناظرین قرآن کریم کو پڑہین اور مجکو اُن بیشمار
آیتون کے فرداً فرداً بیان کرنے سے معاف رکھین جن مین سے چند آیتین حسب ذیل ہین :-

(۱) اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ (پ ۹ رکوع ۱۳)

کیا نگاہ نہین کی زمین وآسمان کے نظام سلطنت پر اور جو چیزین کہ اللہ نے بنائی ہین انپر۔

۵ یہ حدیث ابن جریر۔ طبرانی۔ اور ابو الشیخ نے عظمت مین ابی رزینؓ سائل سے روایت کی ہے۔ اور یہ حدیث
متشابہات مین داخل ہے اسکی تاویل صرف راسخ العلم علما کو معلوم ہوسکتی ہے۔

(۲) وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ (پ ۲۳ رکوع ۲)

اور ایک نشانی اُنکے لئے مری ہوئی زمین ہی جسکو زندہ کیا ہمنے اور نکالے اُس سے غلون کے دانے جس مین سے وہ کھاتے ہین - *

(۳) وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ - (پ ۲۱ رکوع ۶)

اور اُسکی نشانیون مین سے ہے آسمان و زمین کا بنانا اور مختلف ہونا تمہاری زبانون اور رنگتون کا -

خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ سب آیتین بیان کیجائین تو ایک ثلث قرآن سے زیادہ بلکہ نصف سے بھی بڑھکر بیان نقل کرنا پڑے گا - *

قرآن کریم عالم کائنات مین آثار قدرت الٰہی پر غور کرنیکی اجمالی ہدایت کیون کرتا ہے؟ اسی لئے کہ اُس سے عبرت حاصل کیجائے - نعمت ایزدی کو یاد کیا جائے - اور فکر کو اپنی قوت سے کام لینے پر برانگیختہ کیا جائے - نہ یہ کہ اس سے کوئی فطری قانون طے کرنا مراد ہے - یا خلقت عالم کی بابت کوئی خاص عقیدہ لازم کر لینے پر زور دیا ہے - بلکہ اُس نے توحید باری پر دلیل لاتے ہوئے اس راستہ سے کبھی قدم نہین ہٹایا ہے - چنانچہ دیکھو وہ کس طرح استدلال کرتا ہے :-

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پ ۱۷ - رکوع ۲) -

اگر ہوتے ان دونون (آسمان زمین) مین اور کوئی معبود بجز اللہ کے تو بیشک یہ دونون خراب برباد ہو جاتے

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (پ ۱۸ - رکوع ۵)

نہین اختیار کیا خدا نے کوئی بیٹا اور نہین ہے اُسکے ساتھ کوئی دوسرا معبود - ورنہ یون ہوتا تو لیجاتا ہر ایک معبود اپنی بنائی کو اور بیشک چڑھ جاتا ایک پر ایک - اللہ پاک ہے ان کی (ایسی) باتون سے - *

غرضکہ اس دعوت اور خدا اور اُسکی وحدانیت پر ایمان لانیکے بارہ مین اسلام بجز دلیل عقلی کے اور کسی چیز کو قابل سند نہین مانتا - وہ صرف انسانی فکر کو جو کہ اپنے فطری نظام (جسکو نظام طبیعی بھی کہتے ہین) کے مطابق عمل کرتی ہے - اسبارہ مین قابل استدلال سمجھتا ہے - خارق عادت امور دکھا

دہڑکے نہین دیتا۔ غیر معتاد طریقون کے ذریعے سے انسانون کی آنکھون مین چکا چوندہ نہین ڈالتا نہ بلائے آسمانی نازل کرکے کسی کی زبان بند کرتا ہے۔ اور نہ خداوندی ڈانٹ اور کڑک کے ذریعے سے کسی کی فکری حرکت کو منقطع کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانون مین سے معدودے چند لوگون کے سوا جنکی رائے کچھہ ایسی قابل اعتماد نہین۔ اور باقی سب لوگون کا اسپر اتفاق ہے کہ نبوت پر ایمان لانے سے خدا پر ایمان لانا مقدم ہے۔ اور جبتک خدا پر ایمان نہ لایا جائے اُس وقت تک رسولان پر ایمان لانا ممکن ہی نہین ہے اسلئے ایمان باللہ کو رسولون کی ہدایتون اور کتب آسمانی کی آیتون سے اخذ کرنا درست ہی نہین ہو سکتا۔[1] کیونکہ جب تک کوئی خدا کی تصدیق کرکے اس بات کو نہ مان لے کہ خدا کتاب۔ اور رسول نازل کر سکتا ہے۔ اُس وقت تک کیونکر سمجھہ مین آسکتا ہے کہ وہ شخص خدا کی نازل فرمائی ہوئی کتاب پر ایمان لائیگا۔ اور علمانے یہہ بھی بیان کیا ہے کہ مکلف پر سب سے پہلے یہ بات واجب ہوتی ہے کہ وہ خدا کا اعتقاد حاصل کرنیکے لئے غور و فکر سے کام لے۔ تاکہ اُسکے بعد اعتقاد باللہ سے منتقل ہوکر اُسکا عقیدہ انبیاء و رسل اور اُنپر اُتری ہوئی کتابون پر بھی راسخ ہو جائے۔

رہی دوسری دعوت یعنی تصدیق رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بلاتے ہوئے اسلام خارق عادت کو دلیل مین پیش کرتا ہے۔ مگر وہ خارق عادت اور معجزہ جسے اسلام بطور حجت تصدیق نبی علیہ السلام پیش کرتا ہے نہایت معتبر اور اتنی متواتر خبرون سے ثابت ہے جسکے ماننے مین انکار یا شبہ کی گنجایش ہی نہین۔ وہ معجزہ ازلی اور ابدی ہے۔ نہ اُس مین کبھی پہلے کلام کرنیکی گنجایش ملی ہے اور نہ آیندہ ملیگی۔ اور یہی معجزہ صداقت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

---

[1] یعنی خواہ مخواہ رسول اور کتاب کو منجانب اللہ مانکر بلا دلیل اُنکی صداقت اور خدا پر ایمان لانے کی ضرورت نہین بلکہ دیکھنا چاہئے کہ وہ پیغمبر اور کتابین وجود باری اور توحید کی عقلی دلیلین کیا پیش کر سکتے ہین۔ پہر اس طرح سمجھہ بوجھکر ایمان لانے کے بعد انسان مومن کامل ہوتا ہے۔ اور وہ اون کتابون اور اقوال انبیا دینکے مطابق بخوبی عمل کر سکتا ہے۔ +

واحد دلیل ہے۔ جسکے علاوہ اور معجزات جو احادیث مین وارد ہوئے ہین خواہ اُنکی سند صحیح ہو یا مشہور۔ کمزور ہو یا ناقابل التفات۔ مگر اُنکا مسلمانون کے نزدیک یقینی طور پر ماننا واجب نہین لہٰذا اگر وہ معجزات کبھی بطور دلیل کے پیش بھی کئے جائین تو اُن سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جو لوگ اسلام کو اپنے دل مین جگہہ دیچکے ہین اُن کا ایمان اور پختہ ہو جائے۔ اور وہ نور علیٰ نور ہونے کا فایدہ دین۔ قرآن کے معجزہ اور منزل من اللہ ہونیکی اور اختراع بشر نہ ہونیکی سب سے بڑی دلیل یہہ ہے کہ قرآن ایک ایسے اُمّی کی زبان پر جاری ہوا جس نے کبھی کوئی کتاب نہین پڑہی تھی۔ نہ اُس نے تحصیل علوم کی تہی۔ پھر سارا قرآن ایک ہی تیرہ برس مین نازل ہوا ہے۔ وہ گمراہون کو راہ راست دکھاتا۔ کجروون کو سیدھا بناتا۔ اپنے طریقہ پر چلنے والی قومون کے عام نظام حیات کا کفیل بنکر انہین اُس خسران سے نجات دیتا ہے جسمین وہ مبتلا تہین۔ اور اُن کو ہلاکت کے غار مین گرنے سے بچاتا ہے۔ اور مزید برآن اسلوب بیان کی بلاغت مین آجتک کوئی کلام اُسکا مقابلہ بہی نہ کرسکا بڑہجانا تو مشکل بلکہ ناممکن تھا یہانتک کہ خاص ملک عرب کے بڑے بڑے آتش زبان سحر بیان زباندانون اور سخن سنجون کو اُس نے تحدی کے ساتھہ اپنے مقابلہ پر بُلایا اور ڈنکے کی چوٹ کہا کہ اگر مجھکو کلام بشری سمجھتے ہو تو باوجود اسکے کہ تم لوگ اپنی زباندانی اور طلاقت لسانی پر نازان ہو ایک جملہ ہی میرے جملے سے ملتا ہوا بنا کر پیش کرو۔ مگر کسی کا حوصلہ نہین پڑا کہ مقابلہ پر آتا۔ اور ایک چہوٹی سے چہوٹی آیت بہی پیش کرسکتا۔ ہان جب بیان سے عہدہ برآ نہ ہوسکے تو شرمندہ ہوکر آمادہ جنگ و پیکار اور مومنین کو ایذائین دینے پر طیار ہوگئے۔ تیغ بکف ہوکر خونریزی کے لئے سامنے آئے جسکا انجام یہ ہوا کہ مومن لوگون نے بہی حفاظت خود اختیاری اور مدافعت پر کمر باندھی اور چونکہ وہ برسر حق تھے۔ اسلئے خداوند کریم نے حق کا پلہ غالب کیا۔ اور آفتاب اسلام کی چمک دمک نے عرصۂ دنیا سے کفر و ضلال کی تاریکی مٹاکر اُسے منور بنا دیا۔ لَقَدْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا "حق آیا اور باطل نابود ہوا بے شک باطل نابود ہونے کے ہی قابل تھا۔ +

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ابدی معجزہ ہے کہ قرآن کھلے بندوں تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ عقل و خرد سے کام لو۔ مجھے غور کی نگاہوں سے دیکھو اور جہانتک تم مین فکر و تامل کی قوت ہے میرے سمجھنے پر خرچ کرو۔ پھر اسکے بعد اگر تم میرے اعجاز کو باطل اور مجھے اپنے دعوی پر دلیل پیش کر سکنے کے ناقابل پاؤ تو اس بارہ مین اپنی حجت لاؤ خداوند کریم فرماتا ہے :-

"وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ"	"اور اگر تم کو ہماری اپنے بندہ پر اتاری ہوئی کتاب مین کچھ شک و شبہ ہو تو اسکی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ"

اور ارشاد کیا :-

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (پ ۵۔ رکوع ۸)	"کیون نہین قرآن کو غور سے دیکھتے اور سمجھتے؟ اور اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو اس مین بہت سا اختلاف پایا جاتا"

اسی طرح متعدد مقامات پر دلیل و حجت کے مقابلہ اور تردید کے لئے منکرین سے بھی دلایل قطعی طلب کئے ہین اور یہ نہین کہا کہ قرآن کو خواہ عقل و فہم مین آئے یا نہ آئے ضرور مان ہی لو۔ قرآن کا معجزہ قول اور علم کا جامع ہے اور ان دونون باتون مین سے ہر ایک بات ایسی ہے جو انسان کی عقل و فہم مین آسکتی ہے۔ یہ ایسا معجزہ ہے جو خاصکر عقل کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور عقل کو اسپر غور و فکر کرنے کا حق دیا گیا ہے تاکہ وہ پوری طرح اسکے اسرار و نکات پر حاوی ہو سکے اور خوب چھان بین کر کے اس سے اپنا حق بلا کم و کاست حاصل کر لے غرض کہ قرآن ہی ایک ایسا معجزہ ہے جس نے تمام معارضہ کی طاقت رکھنے والون کو اپنا مثل پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ اور الصاف سے دیکھا جائے تو لطف بھی یہی ہے کہ جو چیز طاقت بشری کے احاطہ مین داخل ہے اور جسے ایک انسان کر سکتا ہے اسی مین کوئی ایسی فوق العادت بات پیدا کی جائے جسکے معارضہ سے لوگ عاجز آجائین۔ مگر اسی کے ساتھ قرآن کریم نے ہر درجہ

کی قدرت رکھنے والے کو دعوت دی ہے کہ باندازہ اپنے ظرف کے مجھ سے حاصل کرو۔
اب رہی یہ بات کہ مردہ کو زندہ بنا دینا یا زندہ کو بلا کسی خاص سبب کے مردہ کر ڈالنا۔ یا شیطان کا کسی جسم سے نکال دینا یا بیماری کو دور کر دینا تو یہ باتیں ایسی ہیں جو عقل و فہم کے حیّز میں آنے سے باہر ہیں۔ اور اس مقام پر سمجھ بے حس ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اللہ پاک ایسے معجزے اپنے رسولوں کے ہاتھوں صرف اسلئے دکھاتا ہے کہ وہم پرست اور جاہل قوموں کے مُنہ بند ہو جائیں اور اُن کو انبیاء اور رسولوں کی تصدیق میں کلام کرنے کی گنجائش نہ باقی رہے۔ اگرچہ پھر بھی وہ اپنے انکار اور کفر پر قایم رہیں اور رہتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک ہر ایک قوم کے لئے اُن کی حالت اور استعداد کے مطابق اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔

پھر اسلام نے انبیا علیہم السلام کے سوا اور کسی کے لئے معجزات کو دلیل حق نہیں قرار دیا ہے۔ اور اسلام کی کتاب "قرآن" میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے یہہ پایا جاتا ہو کہ اُسکے دعوت دینے والوں کو سنت اللہ اور قوانین فطرت میں تغیر و تبدّل کر سکنے کا کوئی اختیار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہہ امر اس قدر واضح ہے کہ اسکے بیان کرنے اور بتانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ +

اسلام کی پہلی اصل تحصیل ایمان میں عقلی نظر اور غور سے کام لینا ہے۔

اسلام کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ عقل سے غور و فکر کا کام لیا جائے۔ اسلام نے اسی غور کو ایمان صحیح کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ وہ انسان کو حجت کے طریقہ پر اپنے سامنے بلاتا ہے اور اپنی صداقت پیش کرنیکے لئے عقل کو قاضی عادل تصور کرتا ہے۔ پھر یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جس وقت کوئی شخص کسی معاملہ میں کسی کو حَکَم اور قاضی مانتا ہے تو وہ پہلے اُسکے احکام اور فیصلہ کو قبول کر لینے کا ارادہ ٹھان لیتا ہے اس لئے ہرگز ممکن نہیں کہ بعد میں وہ اُسکے فیصلہ سے پھر جائے یا اُس سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو۔

مسلمانوں نے اس اصل کی ایسی پابندی کی کہ جیسی کرنی چاہئے یہانتک کہ اہل سنت میں سے

بہت سے لوگون نے تو یہ کہدیا ہے کہ جو شخص تلاش حق مین پوری کوشش سے کام لیتا رہے مگر وہ منزل مقصود تک پہونچنے سے قبل اُسی حالتِ طلب مین مر بھی جائے لیکن ظن کے درجہ پر توقف نہ کرے تو وہ ضرور نجات پائیگا۔ اب اس سے بڑھکر جولانی عقل کے لئے اور کون سا میدان مل سکتا ہے؟۔

اسلام کی دوسری اصل یہ ہے کہ تعارض پڑنیکے وقت ظاہر شرع پر عقل کو ترجیح دیجائیگی

قبل اسکے کہ مین کوئی اور اصل بیان کرون ذیل مین دوسرے نمبر پر ایسی اصل کا ذکر کئے دیتا ہون جو اصل اول کی تابع ہے اور وہ یہ ہے کہ بجز معدودے ناقابل اعتماد لوگون کے باقی تمام اسلامی فرقون کا اس بات پر اتفاق ہو کہ جس وقت عقل اور نقل مین تعارض آپڑے تو اُس وقت عقل ہی کی ہدائیت پر کاربند ہونا چاہئے اور نقل کے لئے دو طریقے باقی رہینگے۔ ایک طریقہ تو یہ ہوگا کہ منقول کو صحیح مانکر اپنے قصور فہم کا اعتراف کیا جائے اور اُسکے علم کا معاملہ خداوند کریم کی ہدایت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ زباندانی کے قوانین پیش نظر رکھکر اُس نقل کی کوئی ایسی صحیح تاویل کر لی جائے جو عقل کے ثابت کردہ مفہوم سے معنی متفق ہو۔ غرض کہ اس اصل کے ذریعہ سے جو کتاب الٰہی۔ حدیث صحیح۔ اور فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز اور حکم پر قایم ہوئی ہے عقل کے سامنے تمام راستے صاف ہو گئے ہین۔ اور اب اُسکے راہ مین کوئی روک ٹوک باقی ہی نہین رہی۔ اور جبکہ عقل کو اپنی جولانی دکھلانے کے لئے ایسا بے پایان اور وسیع میدان ملگیا ہے۔ تو سمجھہ مین نہین آتا کہ ایک فیلسوف اور حکیم کو اس سے بڑھکر اور کیا بات چاہئے؟ اور اہل نظر اور طالبان علم کے لئے اگر اتنی وسیع فضا بھی کافی نہو تو یہ ارض و سما باوجود اس تمام وسعت و فسحت کے بھی اُن کے سمائی کے لئے کافی نہ ہونگے؟۔

اسلام مین صدور احکام کی اصول سے تیسری اصل یہ ہے کہ "تکفیر" سے دور بھاگنا چاہئے

مذکورہ بالا دونون اصلون سے مسلمانون کی اس مشہور اصل کا بھی پتا چلتا ہے جو اُن کے دینی احکام کے قواعد مین ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ اصل یہ ہے کہ اگر کسی کی زبان سے

کوئی ایسی بات نکلے جو ۹۹ حصے کفر کا احتمال رکھتی ہو اور ایک حصہ ایمان مین شامل کیجا سکے تو اُس بات کو ایمان ہی پر محمول کرینگے اور کفر مین داخل نہ سمجھینگے۔ انصاف سے بتاؤ کہ فلاسفہ اور حکماء کے اقوال کے ساتھ اس سے زیادہ کچھہ اور آسانی اور درگزر ہوسکتی ہے؟ - اور کیا کوئی حکیم اس درجہ کا احمق ہوگا کہ اُسکے قول مین ایک فیصدی وجہ بھی ایمان پر محمول کرنیکی نہ پائی جائے بیشک اگر وہ ایسا ہی احمق ہے تو اُسکے لئے یہی زیبا ہوگا کہ پوپ روم کے محکمۂ تفتیش مین پیش کردیا جائے جہان اُسے زندہ آگ مین جلنے کا ذائقہ چکھنا نصیب ہو۔ ٭

اِسلام کی چوتھی اصل مخلوقات مین سنت الٰہی کو بنظر عبرت دیکھنا ہے

انبیا علیہم السلام کے بعد دعوت حق کے بارہ مین دلایل عقلی کے سوا اور کسی امر پر اعتماد نہ کرنا۔ اور عجیب و غریب باتون یا خارق عادت امور پر کبھی متوجہ نہونا۔ اسلامی عقاید کی پہلی اصل ہے اور اسی کے ساتھ ایک اور اصل بھی اسلئے موضوع ہوئی ہے کہ جو نفوس طریق اسلام پر قایم ہین اُن کے مدرکات سُدھر جائین اور وہ اپنے اعمال معاش و معاد کی اصلاح کرسکین۔ اور وہ اصل یہ ہے کہ گزشتہ اور موجودہ انسانون کے طرز و روش اور اُنکی سرگزشتون سے اس بات کا پتا لگایا جائے کہ قانون قدرت اور عادت اللہ اُن پر کیا عمل کرتی ہے۔ کتاب عزیز یعنی قرآن کریم نے اس اصل کی تاکید مین حسب ذیل احکام دیئے ہین:—

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ۔ (پ ۴۔ رکوع ۵)

"بیشک تم سے پہلے بھی بہت سے دستور گزر چکے ہین۔ اسلئے تم زمین مین پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والونکا انجام کیسا ہوا"

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا۔ (پ ۱۵۔ رکوع ۸)

"دستور چلا ہوا ہے اُن رسولون کا جو ہمنے تجھسے پہلے بھیجے اور تو پائیگا تو ہمارے دستور مین تفاوت (یا تغیر)۔"

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

پھر اب یہی راہ دیکھتے ہین اگلون کے دستور کی سو تو نہ پائیگا اللہ کے دستور مین تبدیلی۔ اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا

اللّٰہِ تَحْوِیْلًاO اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ " (پ ۲۲ - رکوع ۱۷)	کیا پھرے نہین ملک مین کہ دیکھین کیسا ہوا انجام اُن لوگون کا جو اُن سے پہلے اور وہ ان سے بہی زیادہ طاقتور تھے۔

قرآن کریم نے ان آیتون مین اس بات کی تصریح کردی ہے کہ قومون اور موجودات مین خدا کی چند غیر متبدل سنتین ہین۔ اور سنتین ان مقررہ طریقون کو کہتے ہین جنپر کاربار عالم چلتا رہتا ہے اور جنکے مطابق ہر ایک امر کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ انہین سنتون کو شرائع اور نوامیس بھی کہتے ہین اور بعض لوگون نے اسی کا نام قانون قدرت رکھا ہے بہرحال ہم نزاع لفظی سے قطع نظر کر کے کہتے ہین کہ قرآن کریم پکار پکار کر جتا رہا ہے کہ جمعیت بشری اور اُس مین حادث ہونے والے حالات کا نظام سرتاسر یکسان اور ناقابل تغیر و تبدل ہے اسلئے جو شخص اس اجتماع مین سعادت کا طالب ہو اُسے مذکورہ بالا نظام کے اصول پر نظر کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے اعمال اور طرز و انداز کو اُسی کے مطابق رکھ سکے اور جو کام کرے اسی نظام کے اعتبار سے اور اُسی کے اصول پر کاربند ہوکے کرے۔ پھر اگر کوئی نادان اور غافل شخص اس نظام فطرت کی طرف سے غفلت کرے گا تو لازمی امر ہے کہ آفت و بلا مین مبتلا ہوگا اور ناقابل برداشت مصیبت مین پہنسیگا۔ اس بارہ مین نہ عالی نسبی کام آئیگی اور نہ پیمبر زادگی اور پیرزادگی کچھ نفع دیگی۔ غرض چاہے جس قدر غور و فکر اور کشف و استقرا سے کام لیکر ان سنتون کے احکام کی جانچ پڑتال کیجائے نتیجہ بہرحال یہی ہوگا کہ وہ دین اسلام کی طبیعت کے ساتھ چلتے ہین اور طبیعت دین اُن سے کسی حالت مین پہلوتہی یا تنفر نہین ظاہر کرتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مذہب اُسکے ساتھ اعلیٰ درجہ کا تسامح نہ کرے؟

اسلام دنیا سے بت پرستی کا نام و نشان مٹانیکے لئے آیا تھا۔ اسی لئے اُس نے عربی۔ یونانی۔ یا رومانی وغیرہ ہر وضع اور ہر مقام کی بت پرستیون کو صفحہ دنیا سے محو کرنے پر کمر باندھی لیکن مذہب اسلام کی کتاب آسمانی عربی ہے اور عربیت اُنہین بُت پرستون کی زبان ہے جو اسلام کو سب سے بڑھکر نزدیکی دشمن تھے۔ اُس کتاب کے معانی کا سمجھنا اوضاع زبان کی معرفت پر موقوف ہے اور

زبان کے اوضاع اُس وقت تک نہین معلوم ہو سکتے جبتک اُسکے کلمات کے مواقع استعمال اور اُسلوب بیان کا علم نہ حاصل ہو۔ اور اسیات کا دارو مدار اسپر تھا کہ اہل عرب کے تمام نظم و نثر کلامون کو محفوظ رکھا جائے جسمین اُنکے اخلاق۔ عادات۔ اور اعتقادات کا ایسا صحیح خاکہ کھینچ دیا گیا ہو جسکو دیکھتے ہی دیکھنے والے کے روبرو عرب کے زمانہ جاہلیت کی ہو بہو تصویر کھینچ جائے۔ اور اُس وقت کی بُت پرستی اور عادات و اطوار کا بلاکم و کاست نقشہ نگاہون مین پھرنے لگے۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانون نے ایسا ہی کر دکھایا۔ اُنہون نے کلام عرب کے جمع کرنے اُسکو محفوظ و مدوّن بنانے۔ اور اُسکی تفسیر کرنے مین ہزارون کوس کی منزلین پا پیادہ طے کین۔ اسکے پیچھے عمرین گنوا دین۔ دماغی اور قلمی محنت کے علاوہ درہم و دینار کے خرچ کرنے مین بھی دریغ نہین کیا اور ان تمام باتون کا مقصد کیا تھا ؟ صرف یہی کہ عربی علم ادب کے ذخیرہ کو اپنی کتاب منزّل کے سمجھنے کا وسیلہ قرار دین۔ چنانچہ وہ اسکو ایک طرح کی عبادت تصوّر کر کے خدا سے اسکے لئے طالب ثواب رہتے تھے۔ اور یہان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین اسلام کی طبیعت اُس دین شرک و بت پرستی کے علم کو بھی حقیر نہین سمجھتی تھی جسکی گود مین وہ پیدا ہوا اور پھر پرورش پایا۔ بلکہ اسلام نے خارج از مذہب باتون کا علم بھی نیک نیتی سے حاصل کرنا دینی اصول مین داخل رکھا۔ اور اس تسامح و آسانی کی وسعت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہین جو اسکا علم بھی رکھتے ہون۔ اور اس کے بالمقابل جب ابتدائی زمانہ کے مسیحی لوگون پر نظر ڈالی جائے تو دکھائی دیگا کہ اُنہون نے مسیح علیہ السلام کی اصلی اور مادری زبان جو عبرانی رہی ہو یا سُریانی بالکل ترک کر دی۔ اُنہون نے انجیل کے نسخے یونانی زبان مین لکھے اور عبرانی زبان مین صرف ایک نسخہ "متی" کی انجیل کا لکھا گیا تھا۔ مگر یہ بھی ضعیف روایت ہے۔ اسکا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ "انجیل" کا نام خود ہی یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اب سوال ہوگا کہ قدیم اور دَور اول کے پیروانِ مذہب عیسوی نے ایسا کیون کیا ؟ محض اسلئے کہ وہ یہودیون سے خار کھاتے تھے لہٰذا اُنکی زبان جو دراصل مسیح علیہ السلام کی مادری زبان تھی جسکو وہ ہمیشہ بولتے رہے اور جس مین اونہون نے لوگون کو وعظ و نصیحت کی۔ دَور اول کے

عیسائیون کو پسند نہ آئی۔ نہ اُنہون نے یہودیون کے ذخیرۂ علم ادب اور اُن کے مُورثی عادات واطوار پر نظر ڈالی۔

اسلام کی پانچوین اصل دینی حکومت کو مٹا دینا ہے

اِسلام کی سب سے اعلےٰ اور قابل قدر اصل یہ ہے کہ اُس نے دینی اقتدار اور حکومت کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالا اور کہین اسکا نام ونشان تک نہین رہنے دیا جمہور اہل اسلام کے لئے دینی حکومت کوئی چیز ہی نہین رکھی گئی ہے۔ اسلام نے خدا اور اُس کے رسول کے بعد کسی شخص کو دوسرے شخص کے عقیدہ اور ایمان پر کوئی اختیار ہی نہین دیا ہے۔ اور مزید برین رسول علیہ السلام کو بھی تبلیغ دیا دہانی کرنے والے کے درجہ سے آگے بڑھا کر زبردستی اور زور وقوت سے اپنی بات منوا لینے کے مرتبہ پر نہین پہنچایا چنانچہ خود جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

"فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُسَيْطِرٍ" "پس تو سمجھا دے کیونکہ تیرا کام بھی محض سمجھانا ہے۔ تو اُن پر داروغہ نہین"

اِسلام نے اپنے پیروون مین سے کسی کو اس بات کا حق نہین دیا کہ وہ زمین یا آسمان مین صاحب حل وعقد بنے۔ بلکہ ایمان ایک ایسی چیز ہے جو بندۂ مومن کو ماسوی اللہ سے آزاد کرتا اور خدا کی بندگی کے سوا ہر ایک بندگی کے طوق سے نجات عطا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ایک مسلمان جو پابندیٔ مذہب اور علم وفضیلت مین بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہو دوسرے مسلمان پر جو اُس سے درجۂ پابندی مذہب اور علم وکمال مین بہت کچھ گرا ہوا ہے۔ اسکے سوا اور کوئی حق نہین رکھتا کہ اُسے راہ راست دکھائے اور نصیحت وپند کرے۔ اللہ پاک نجات پانے والون کی صفت مین فرماتا ہے :-

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (سورہ عصر) "اور آپسمین تقید کیا سچے دین کا اور آپسمین تقید کیا صبر کا"

اور فرماتا ہے :- وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"اور چاہئے کہ ہو تم مین سے ایک جماعت جو بلاتی رہے نیکی کی طرف اور حکم دے اچھے کامون کا اور منع کرے بُری باتون سے یہی لوگ فلاح پانے والے ہین"۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

(پ ۱۱ رکوع ۴)

"پھر کیون نہ نکلے ہر فرقے مین سے اُن کی ایک حصّہ تاکہ سمجھ پیدا کرین دین مین اور تاکہ خبر پہنچاوین اپنی قوم کو جب پھر آوین اُن کی طرف شاید وہ بچتے رہین (برائیون سے)۔

بہرحال مسلمانون کو ایک دوسرے پر حق نصیحت حاصل ہے جسکے بعد اُنپر یہ واجب ہے کہ ایک گروہ نیکی کی طرف بُلانے والا طیار کرین مگر اس طرح کہ وہ جماعت عام مسلمانون کی زیر نگرانی کام کرے اور جہان اُس نے ذرا بھی کجروی اختیار کی جمہور اسلام اُسے سیدھا بناکر پھر راہِ راست پر لے آئین گے۔ اب اُس جماعت کا فرض ہوگا؟ صرف اس قدر کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ احکام الٰہی کرتی رہے اُسکو یا اُسکے علاوہ اور آدمی کو اس بات کا بالکل حق نہین دیا گیا کہ کسی کی راز جوئی کرے۔ یا کسی کے مخفی عقیدہ کی ٹوہ لگائے۔ نہ کسی طاقتور کو کمزور کے مخالف عقیدہ پر دباو ڈالنے کی اجازت ہے۔ ایک مسلمان کو اپنا صحیح عقیدہ اور اصول عمل معلوم کرنے کے لئے کتاب الٰہی اور حدیث نبوّی کو استاد اور ہادی بنانا واجب ہے نہ یہ کہ وہ کسی اپنے ہی جیسے دوسرے مرد مسلمان کے قول پر عمل کرنا ضروری تصور کرے۔ غرضکہ ہر ایک مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکام الٰہی کو کتاب خداوندی سے اور ارشادات نبوّی کو حدیث رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا توسّط کسی سلف یا خلف کے سمجھنے کی کوشش کرے بشرطیکہ اسکے ساتھ ہی اُسپر یہ بھی واجب ہے کہ اس فہم کے ایسے وسائل مہیا کرلے جو اُسکو سمجھنے کے لائق بنا سکین۔ مثلاً عربی زبان کے قواعد۔ اُسکے علم ادب۔ اُسکے اسلوب بیان۔ اور خاصکر

زمانہ بعثت مین اہل عرب کے جو حالات تھے اُن سے آگاہی حاصل کرے اور اس بات کا بھی علم بہم پہنچائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین لوگون کیا کیفیت تھی۔ نزول وحی کے وقت کیا کیا باتین پیش آئی تھین۔ اور اسی کے ساتھہ آثار کے ناسخ و منسوخ ہونیکی حالت بھی اسپر واضح ہو۔ پھر اگر وہ اپنے آپ مین اتنی قوت نہ پائے جسکے ذریعہ سے کتاب الٰہی اور حدیث شریف کو صحت کے ساتھ سمجھہ سکے تو اب اُسپر یہ واجب ہوگا کہ ان دونون چیزون کا علم رکھنے والے لوگون سے دریافت کرے مگر نہ اس طرح کہ جو کچھہ وہ لوگ بتا ئین اُسے کورانہ تقلید کے انداز سے مان لے۔ بلکہ اُن سے ہر ایک بات کی قابل تشفی دلیل طلب کرے عام اس سے کہ وہ سوال اعتقادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے تاکہ جو کچھہ وہ سمجھے پوری طرح اور علی وجہ البصیرت سمجھے۔ غرضکہ اسلام مین اُس دینی اقتدار اور حکومت کا کوئی نام و نشان بھی نہین پایا جاتا جو مذہب عیسوی کا جزو اعظم ہے اور جسپر اُس دین کی پابندی کا دارومدار ہے +

اسلامی سلطنت

مگر چونکہ اسلام ایک دین اور آئین شریعت ہے اسلئے اُس نے جرائم کی سزائین اور لوگون کے حقوق و فرائض قایم کئے ہین۔ اور چونکہ ہر ایک معتقد اپنے ظاہری معاملات مین خود ہی حکم نہین بن سکتا۔ کیونکہ بسا اوقات نفسانی خواہشین اور بُرے ارادے انسانی طبیعت پر غالب آکر اُسے حق کی جانب سے چشم پوشی کرنے اور حد اعتدال سے بڑھ جانے کی ترغیب دیتی ہین۔ اسلئے جبتک کوئی ایسی قوت نہ پائی جائے جو حدود شرعی کو قایم کر سکے اُس وقت تک تشریع احکام کی حکمت مکمل نہین ہو سکتی۔ اور وہ قوت ایسی ہونی چاہیئے جو نظام جماعت کی محافظت اور حق وواجبی احکام کا اجرا کر سکے۔ پھر یہ قوت بہت سے افراد مین بطور طوایف الملوکی نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ ایک ہی شخص کے قابو مین ہنی مناسب ہے

جو سلطان یا خلیفہ کہلاتا ہے۔

مسلمانوں کے یہاں خلیفہ کو معصوم نہیں مانا جاتا۔ نہ اُسے مہبط وحی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور نہ اُسے یہ حق دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر میں اوروں کی نسبت زیادہ اختیارات اور امتیاز شرف رکھنے کی آرزو کرے۔ البتہ اُس کے لئے مجتہد ہونا شرط ہے یعنی اُسکو زبان عربی اور اُس کے متعلقات کا ایسا علم ہو جسکے ذریعہ سے وہ استنباط احکام کے وقت حسب ضرورت کتاب و سنت کے مطالب بآسانی سمجھ سکے تاکہ بذات خاص حق و باطل اور صحیح و فاسد میں امتیاز کر سکے اور سہولت کے ساتھ اُس عدل کو قایم کر سکے جو دین اور قوم دونوں اُس سے طلب کرتے ہیں۔ +

دین نے خلیفہ کو کتاب اللہ کے سمجھنے اور احکام کا استنباط کر سکنے میں کوئی مزید خصوصیت اور امتیازی درجہ عطا نہیں کیا بلکہ اس بارہ میں جیسے اور لوگ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوں ویسا ہی ایک فرد وہ بھی ہے۔ ہاں اگر اس میں کوئی فضیلت ہے تو اُس شخص کو جسکی عقل زیادہ صاف ہو۔ اور جو بکثرت صحیح احکام استنباط کر سکے۔[۵۱] پھر وہ خلیفہ یا مسلمان حکمران اُسی وقت تک قابل اطاعت ہے جبتک اعتدال کے مسلک پر چلتا رہے اور کتاب و سنت کی مقرر کی ہوئی شاہ راہ سے انحراف نہ کرے ورنہ عام مسلمان اوسکی تاک میں لگے رہیں گے کہ ذرا بھی وہ سیدھے راستہ سے الگ ہو تو فوراً اُسے روکدیں اور سیدھے چلنے کی ہدایت کریں۔[۵۲] مگر کیونکر؟ اس طرح کہ "خداوندی

---

۵۱ اسکے شواہد میں یہ بات ہے کہ مسلمان خلفاء اپنے سے زاید علم و فہم رکھنے والے علماء کی ہمیشہ قدر کرتے تھے خلیفہ رشید اور امام مالکؒ کی حکایت مشہور ہے کہ امام مالکؒ نے درس دیتے وقت خلیفہ رشید کو مسند خلافت سے اتار کر عام لوگوں کے برابر بیٹھا دیا تھا کیونکہ اُس وقت خلیفہ کی حیثیت شاگرد کی تھی۔ اور اُسے شاگردوں کے مقام پر بیٹھنا مناسب تھا۔ +

۵۲ دیکھو خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا قول جو اُنھوں نے اپنے پہلے خطبہ میں کہا تھا "اِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ" اگر میں ٹیڑھا چلوں تو تم لوگ مجھے سیدھا کر دو۔ +

احکام سے خلاف ورزی کرنیکی صورت مین کسی مخلوق کی اطاعت نہ ماننی چاہیئے[۵۱] ۔ یہ امر اُس کے گوش گزار کردین ۔ چنانچہ جب وہ کتاب و سنت پر عمل کرنے مین قاصر ہوجائے تو مسلمانون پر واجب ہے کہ ایسے خلیفہ یا حاکم کو معزول کرکے اُسکی جگہ دوسرا لایق اور صالح حاکم مقرر کردین ۔ لیکن اسکا خیال رکھنا چاہیئے کہ آیا اُس خلیفہ کے عزل اور دوسرے خلیفہ کے نصب کرنے مین کوئی ایسا فساد تو نہ پیدا ہوجائے گا جو اُسکے علیحدہ کرنے کی مصلحت پر بھی فوق لیجائے اور کوئی سخت خرابی پیدا کرے[۵۲] ۔ بہر حال قوم یا نائب قوم ہی خلیفہ اور حاکم کو مقرر کرتا ہے اور قوم کو خلیفہ کے بحال رکھنے یا معزول کردینے کا پورا حق حاصل ہے ۔ کہ جب اُسے خلیفہ کو اُسکے منصب سے جدا کردینا مصلحت معلوم ہو وہ کرسکتی ہے ۔ اور اس اعتبار سے خلیفہ اسلام من کل الوجوہ ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت رکھتا ہے ۔

ایک صحیح النظر شخص کبھی مسلمان خلیفہ کو اُس عہدہ کی سطح پر نہ لاسکے گا جس کو اہل یورپ "تھیوکرائیٹک" یعنی سلطان الٰہی کے نام سے موسوم کرتے ہین ۔ اہل یورپ کے خیال مین "تھیوکرائیٹک" ایسا فرد واحد ہوتا ہے جو بلا واسطہ خداوند پاک سے اصول مذہبی کی تعلیم حاصل کرکے اور مذہبی قوانین نافذ اور وضع کرنے کا اختیار کامل رکھتا ہے ۔ لوگون پر اُسکی اطاعت جزو ایمان قرار دی گئی ہے نہ یہ کہ محض بیعت کرلینے اور طلب عدل وداد کی غرض سے اُسکی فرمانبرداری کرنی واجب ہو ۔ اس لئے ایک مومن شخص کسی طرح اُس دینی فرمانروا کی مخالفت نہین کرسکتا ۔ اگرچہ اُسپر یہ بھی ثابت ہوجائے کہ مقدس پیشوا دین الٰہی کا دشمن اور اُسکے احکام و شرائع کا تارک اور ایسا گمراہ ہے کہ اُسکے اعمال و اقوال کو اصول شریعت سے کوئی مناسبت ہی نہین کیونکہ مسیحی مذہب مین دینی فرمانروا کا قول اور فعل دونون خواہ کسی صورت مین ظاہر ہون در اصل وہی دین

---

۵۱ حدیث "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" بروایت بخاری ومسلم وغیرہ ۔

۵۲ مثلاً یہ کہ اُس حاکم یا خلیفہ کا کنبہ اور قبیلہ اس قدر زبردست ہے کہ بحالت برہمی قوم کو بالکل تباہ کرڈالیگا اور اس خوف سے اُسکو چھیڑنا مصلحت نہین کیونکہ "حصول فایدہ کی کوشش کرنے سے فساد اور جھگڑے کی باتون کا دور کرنا مقدم ہے"

و شرع سمجھے جاتے ہین۔ قرونِ وسطیٰ مین کنیسہ کی فرمانروائی ایسی ہی مانی جاتی تھی۔ اور آجتک رومن کیتھلک چرچ اسی غلبہ اور قوت کا مدعی ہے جسکو ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔

تمدن جدید نے یہ کارگزاری کی کہ دینی اور دنیاوی حکومتون کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیا۔ کنیسہ کو صرف انہی عقاید اور اعمال پر حقِ حکومت دیا گیا جو بندہ اور خدا کے مابین قابلِ عملدرآمد ہین اور جن کی پابندی از روئے مذہب اُسپر واجب ہے۔ اب کنیسہ کو اختیار ہے کہ وہ ان امور مین جس امر کو چاہے منسوخ کرے اور جو چاہے اضافہ کرے۔ اور جیسی اُسکی مرضی ہو اُسی طرح کی نگرانی۔ اور محاسبہ قایم کرے۔ اور جسے چاہے کچھ دے۔ اور جسکو چاہے محروم کر دے۔ اور دنیاوی حکومت کو انسانون کے باہمی معاملات اور اُن امور کی بابت قانون بنانیکا اختیار دیا گیا ہے جو اُن کے نظام اجتماعی کو خرابی سے محفوظ رکھکر اُن کے اُمور معاش کو درست طریقہ پر چلا سکے۔ دنیاوی سلطنت کو امور معاد اور دینی معاملات مین ذرا بھی مداخلت کرنیکا حق نہین اور اسی طرح دینی یا کنیسہ کی حکومت دنیاوی کاروبار کے تعلقات اور امور معاش مین کوی دخل نہین دیسکتی۔ اہل یورپ نے حکومتون کے اس فیصلہ کو اپنے خیال مین بہت ہی خیر و برکت کا موجب سمجھا ہے۔ اور حتی کہ اُن کے نزدیک یورپ کی ترقی اور تمدن کا منبع یہی امر ہوا۔ اور اسی بنا پر وہ اسلام کے ذمہ یہ الزام تھوپنے کی کوشش کرتے ہین کہ اُس نے ایک ہی شخص مین دونون حکومتون کا جمع کرنا ضروری قرار دیا ہے جسکے معنے وہ اپنے زعم باطل مین یہ سمجھتے ہین کہ ایک مسلمان کی رائے مین سلطان ہی دین کو مقرر کرنے والا اُسکے احکام کا واضع۔ اور پھر خود ہی اُن احکام کو نافذ کرنے والا بھی ہے۔ اور ان امور کو انجام دینے کے لئے تمام مسلمانون کی دلی اطاعت حاصل کرنے کا جو آلہ اُسکے ہاتھ مین موجود ہے وہ قوتِ ایمان ہے جس کے وسیلہ سے وہ دلون کو اپنے شکنجہ حکومت مین جکڑ لیتا ہے اور عقل و فہم کو سر اُٹھانے کا موقع نہین دیتا غرضکہ عقل اور ضمیر اُس کے نزدیک ناقابل التفات چیزین ہین۔ اب یہ کلیہ قایم کرکے وہ لوگ مسلمانون کو اپنے دینی فرمانروا کا غلام قرار دیتے اور کہتے ہین کہ مسلمانون کا دینی حکمران ہمیشہ علم

ہنر کا دشمن اور اُسکے نابود کرنے کے درپے رہا اور جہالت و نادانی کا جنبہ دار بنا رہا۔ لہذا جس وقت تک اسلام کا یہ اصول قائم رہیگا کہ اسکا سلطان دینی مقتضی کے مطابق مقرر ہونا چاہئے اُس وقت تک یہ مذہب کبھی علم و ہنر کے ساتھ آسانی اور سہولت کا برتاؤ نہیں کرسکتا۔ مگر ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہوگیا ہوگا کہ ایسا خیال سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسلام کی اس اصل کے معنی بالکل مخالفین کے سمجھ مین ہی نہین آئے کیونکہ ہمارے بیان مجولۂ سے صاف معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسلام مین بجز نیک نصیحت کرنے۔ نیکی کی طرف بلانے۔ اور بدی سے دور رہنے کی ہدایت کرنے کے اور کوئی دینی حکومت رکھی ہی نہین گئی ہے۔ اور یہ ایک ایسی حکومت اور اس طرح کا اقتدار ہے جو خداوند کریم نے ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بھی اسی درجہ تک عطا کیا ہے جیسا کہ ایک عالی مرتبت سلمان کو دیا گیا ہے۔ اور اسی لیے ہمارے مخالف سے " رسالہ الجامعہ " کو واضح ہو کہ اسلامی حکومت کا مسئلہ ایسا نہین ہے جو علم کے ساتھ تنگ دلی برتنے اور اُسکی اشاعت کو روکے۔ چنانچہ اس دعوی کو ثبوت اور دلیل مین ہم پہلے بھی عباسی اور اندلس کے اموی خلفاء کے اُن سلوکوں اور برتاؤں کا بیان کرچکے ہین جو اُنھون نے علم اور علماء کے ساتھ کیے تھے۔ اور ممکن ہے کہ آیندہ بھی اسکے مزید شواہد پیش کرسکین۔

ہان اس موقع پر مخالفین یہ بھی کہہ اٹھین گے کہ اچھا اگر خلیفہ کو وہ دینی اقتدار حاصل نہین تھا تو قاضی۔ مفتی۔ یا شیخ الاسلام کو تو ضرور ایسے مذہبی اختیارات حاصل ہین؟ ہم کہین گے کہ اسلام نے ان لوگون کو بھی عقاید اور تقرر احکام پر کوئی اختیار تصرف نہین دیا ہے۔ اور یہ عہدہ دار جس قسم کے اختیارات رکھتے ہین وہ سب ایسے تمدنی اختیارات ہین جو اسلامی شریعت نے حفاظت نظام تمدن کی غرض سے اُن کو عطا کئے ہین۔ اور قاضی مفتی۔ یا شیخ الاسلام کو ہرگز اس بات کا حق حاصل نہین کہ وہ کسی شخص کے ایمان۔ طریق عبادت۔ اور اصول فہم دین مین کوئی مداخلت کرسکین ✝

اسلام کی چھٹی اصل یہ ہے کہ فتنہ کو روکنے کیلئے دعوت مذہبی کی حمایت کیجائے۔

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ دین اسلام جہاد کا مذہب ہے اُسکی اشاعت جنگ اور تلوار کے ذریعہ سے کی گئی۔ برخلاف اُس کے مذہب عیسوی میں جنگ ممنوع ہے بلکہ وہ نرمی اور آشتی کے ساتھ اپنی دعوت مخلوق خدا تک پہونچانا چاہتا ہے اس لئے مذہب اسلام کی طبیعت مین اپنے مخالفین کے بالمقابل ایک طرح سختی اور جوش کی روح پائی جاتی ہے اور اُس مین اُتنا صبر و تحمل نہین ہے جسکی حاجت صلح جو شریعت کو ہے اور وہ صلح و آشتی کی شریعت عیسوی شریعت ہے جس مین نرمی اور تحمل کی بکثرت ہدایتین موجود ہین مثلاً "مسیح تیرے داہنے گلے پر ایک تھپڑ مارے تو بایان گلا بھی اُسکے سامنے کر دے۔ جو شخص تجھکو بیگار مین پکڑ کے ایک میل لیجائے تو اُس کے ساتھ دو میل چلا جا" یا ایسی ہی بہت سی مثالیں جو دشمنوں کے ساتھ بھی محبت کرنے کی تاکید کر رہی ہین۔ اگرچہ دشمن کے ساتھ محبت کرنا اختیاری امر نہین بلکہ بعض اوقات دوستون سے بھی محبت نہین کی جا سکتی۔ ہان جو انسان کے بس مین ہے وہ یہ ہے کہ دشمنون اور دوستون کے مابین عدل کے مسلک پر چلے۔ مگر خدا کی حکومت مین ہر چیز ممکن ہے وہان کوئی بات محال نہین پائی جاتی۔ لیکن ہم کہتے ہین۔ قابل غور امر یہ ہے کہ آیا قابو پانے کی حالت مین شر کو شر کے ذریعہ سے دور کرنا صرف مذہب اسلام ہی کی طبیعت مین داخل ہے یا ہر ایک ایسا شخص جو اپنے دشمن پر غالب آئے ایسا ہی عمل کرتا ہے؟ اگر اسلام کی طبیعت کا حال معلوم کرنا ہو تو ہم کہتے ہین کہ اُسکے مزاج کو قتل اور خونریزی سے کچھ بھی لگاؤ نہین۔ بلکہ وہ تو برائی کرنے والون کے ساتھ درگذر کرنے اور خطاکارون کو معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے: قرآن پاک کی ہدایت ہے۔

"خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔"	"معافی کو اختیار کرو اور نیک باتون کا حکم دو اور نادانون سے چشم پوشی کرو۔"

لیکن جنگ و جدل کا حکم اس لئے دیا گیا کہ حق اور اہل حق کے سر چڑھنے والے دشمنون کو انکی

عداوت اور شرارت کا معاوضہ دیا جاسکے۔ تاکہ پھر وہ لوگ خدا کے بندون کو ستانے اور حق کو پردہ دنیا سے محو کرنے کے درپے نہ ہون۔ اسلام مین قتال کا حکم اس غرض سے ہرگز نہین دیا گیا تھا کہ اُس کے ذریعہ سے لوگون کو زبردستی مسلمان بنایا جائے یا مخالفین اسلام سے انتقام کشی کی جائے۔ اسی لئے فتوحات اسلامی کی تاریخ مین ویسی باتین کہین بھی نظر نہین آتین جیسی مسیحی لڑائیون کے حالات مین بے حد و بے شمار موجود ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ صلح و آشتی کی شریعت کے پابندون نے جس وقت اپنے دشمنون پر فتح پائی ہے تو انھون نے اُس وقت بڈھے آدمیون۔ عورتون۔ اور بچون کے قتل کرنے سے بھی دریغ نہین کیا۔

مسلمانون نے کبھی اس ارادہ سے کوئی جنگ ہی نہین کی کہ کسی قوم یا ملک کے لوگون کو ایک سرے سے تباہ و فنا کر ڈالین۔ مگر نصاریٰ کے ہاتھون ایسی کیفیتین بارہا دیکھنے مین آئین اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ صبر اور آشتی کا حکم صرف اُس وقت تک احکام مذہبی مین شمار کیا جاتا تھا جبتک کہ مذہب کو زور و قوت سے کوئی حصہ نہین ملا تھا۔ غرضکہ ان تمام باتون کا خلاصہ یہ ہے کہ عنایت الٰہی نے اسلام کو بہت تھوڑے زمانہ کے اندر اپنے دشمنون کی مدافعت کی وہ قوت عطا فرمائی جو اُسکے سوا دوسرے مذہب والون کو مدت ہائے دراز مین بھی نہ حاصل ہوسکی اور اسلام نے اپنے عنفوان شباب ہی مین وہ عروج و شہرت حاصل کرلی جو اوروں کو ادھیڑ عمر یا بڑھاپے کے سن مین بھی نصیب نہ ہوئی۔ ✦

جنگجو اسلام اور امن پسند مسیحیت کا مقابلہ

اسلام بحالت جنگ صرف اسی امر پر اکتفا کیا کرتا تھا کہ مفتوحہ سرزمین کو اپنے زیر اثر لاکر وہان کے اصلی باشندون کو اُنکے اپنے سابقہ دین و اعتقاد پر باقی رہنے دیتا تاکہ وہ جس طرح چاہین بلا روک ٹوک اپنے مذہبی فرائض بجالائین۔ ہان اُس حفاظت جان و مال اور قیام امن کی ذمہ داری کے لئے جو مسلمانون کو مفتوحہ اقوام کے واسطے برداشت کرنی پڑتی تھی اُنپر ایک خفیف ٹیکس "جزیہ" کے نام سے لگایا جاتا۔ اور وہ بھی اُن لوگون سے وصول کیا جاتا

جو صاحب استطاعت۔ تندرست اور کاروبار کرنے کے قابل ہوتے۔ اور کما کر جزیہ کی رقم ادا کر سکتے۔ اس کے بالمقابل مسلمانون کے فرائض یہ ہوتے تھے کہ ذمی رعایا کو ہر طرح امن و آزادی سے بہرہ ور کرین اور اپنے سایۂ حافظت مین اُن کو پابندی عقاید۔ آبادی معابد۔ پیروی رسم و رواج اور ایسے ہی ہر ایک معاملہ مین بلامزاحمت مصروف ہونیکا موقع دین اُنپر کسی طرح کا ظلم و ستم نہین ہونے پاتا تھا۔ خلفائے اسلام اپنے سپہ سالارون کو یہ وصیت کر دیتے تھے۔ کہ گوشہ نشین عبادت گزارون اور تارک الدنیا فقیرون کی پوری طرح عزت کرنا۔ بچون۔ عورتون۔ اور بوڑھون کو جو شریک جنگ نہین ہو سکتے یا ایسے ہی وہ لوگ کہ جن کو جنگ سے کوئی تعلق نہین ہوتا۔ اُن کو ہرگز قتل نہ کرنا ذمی رعایا کو تکلیف نہ پہونچانے اور اُن کے حقوق کا خیال رکھنے کی حدیث شریف مین متواتر تاکید آئی ہے۔ اور مسلمانون کو بتا دیا گیا ہے کہ " لَهُمْ مَا لَنَا وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْنَا " اُنپر ہمارے حقوق ادا کرنے واجب ہین اور ہم پر اُن کے حقوق کا خیال رکھنا لازم۔ یا " مَنْ اٰذٰی ذِمِّيًّا فَلَيْسَ مِنَّا " جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔ اور جبتک اسلام کی قوت قایم رہی اِس قاعدہ پر پوری طرح عملدرآمد ہوتا رہا۔ اور مین اِس بات کی کوئی پروا نہین کرتا کہ ضعف اور اختلال کے زمانہ مین بعض مسلمانون نے اِس قانون کو توڑ دیا اور اِن احکام سے سرتابی کی۔ کیونکہ حالت کمزوری مین انسان کی طبیعت مین ایک قسم کی کبیدگی کا آجانا ایک فطری امر ہے اور اس سے خاص اسلام کی طبیعت پر کوئی بُرا اثر نہین پڑ سکتا۔ +

مگر اسی کے بالمقابل مسیحیت بجائے امن کیا کرتی تھی؟۔ وہ ہر ایک مذہب پر جو اُس کے زیر تحت آئے۔ نگرانی قایم کرنے کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتی۔ وہ غیر مذہب والون کے اعمال پر سخت نگرانی قایم کرتی اور مسیحی مذہب کے پیرون کے علاوہ اور لوگون پر ایسے ناقابل برداشت بار ڈالدیتی جس کے اُٹھانے سے وہ عاجز آجاتے۔ یہان تک کہ جب اُسے اُن لوگون کو

اُن کے دین سے پھیر لینے مین ناکامیابی ہوتی تو اُن کو اپنے مقبوضہ ممالک سے نکال لینے پر کمر باندہ کر مقدس عیسوی سرزمین کو ناپاک غیر مذہب والون کے وجود سے پاک کر دیتی۔ چنانچہ اب سے پہلے بھی اسکی مثالین گزر چکی ہین اور لطف یہ ہے کہ اس تمدن و تہذیب کے دَور مین بھی جدھر دیکھو یہی تماشا نظر آئے گا کہ جہان کوئی مسیحی قوم حقیقی طور سے فرمانروا ہے وہان غیر مسیحی کو مسیحیون کی تعدی سے اگر کوئی چیز بچاتی ہے تو اُنکی کثرت تعداد یا کسی قوی پشت و پناہ کی امداد کا اعتماد۔ ورنہ وہ لامحالہ کتون کی موت مارے جاتے یا جلائے وطن کئے جاتے ہین۔ روسی مسلمانون کی حالت آجکل کس قدر سُدھر گئی ہے۔ اور اب اُنہون نے اپنے اخبارات نکال لئے ہین اسلئے دنیا کو پتا لگتا ہے کہ اُن پر کیسے کیسے مظالم آج تک ہوتے رہے۔ زبردستی عیسائی بنائے گئے۔ اُن کی جایدادین اور اراضیان ضبط کر لی گئیں اُن کو انسانی حقوق سے محروم کیا گیا۔ اُن کی تعلیم بند کر کے اکثر مقامات کے لوگون کو بالکل جاہل بنا دیا گیا۔ اسی طرح جاوہ مین گورنمنٹ ہالینڈ کے زیر حکومت مسلمانون پر صدہا ظلم و ستم ہو رہے ہین اُن کی آزادی اور اُن کے حقوق کا خون کیا جاتا ہے۔ فرانس مین الجیریا کے مسلمانون سے نہائیت ناقابل بیان بدسلوکیان ہوتی ہین۔ یہودیون پر تو عیسائیت کا قہر اُترنا ایک لازمی امر ہے۔ اور یہ سب کس لئے ہے؟ اس واسطے کہ "مذہب عیسوی امن پھیلانے نہین آیا بلکہ دنیا مین تلوار چلانے کو آیا ہے۔ اور اسلئے کہ وہ بیٹی کو مان سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کرنے کی غرض سے دنیا پر نازل ہوا ہے[له]۔ اور اسلام کی کتاب والدین کے بارہ مین یہ

له اسکی بابت انجیل متی کی عبارت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اور ویسے ہی دیکھو لوقا کی انجیل باب ۱۴ مین ۲۵ و ۲۶ "اور اُن سے یسوع نے کہا "اگر کوئی میرے پاس آئے اور وہ اپنے باپ۔ مان بیوی اولاد۔ بہنون اور بھائیون یہان تک کہ خود اپنے نفس سے بھی عداوت نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی میرا شاگرد نہین بن سکتا" نیز باب ۱۹ آیت ۲۷ "بہرحال میرے دشمن وہ لوگ ہین جنہون نے مجھے اپنا مالک نہین بنانا چاہا انکو یہان لا کر میری سامنے ذبح کر دو" اسی طرح اسفار توریت مین بھی مخالف لوگون پر سختی کرنے اور تمام

حکم دیتی ہے :-

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ -

"اور اگر تیرے ماں باپ اس بات کی کوشش کرین کہ تو انجانی چیز کو میرے ساتھ شریک بنائے تو اُنکی بات ہرگز نہ مان اور دنیا مین اُن کے ساتھ اچھا سلوک کر اور اُس شخص کی راہ پر چل جو میری طرف واپس آیا ہے"

دیکھو! اور انصاف کرو! مذہب اسلام کس طرح باوجود اپنے پیرودن کو اُنکے دھمکی دینے والون پر سختی کا حکم دینے کے باپ کو بیٹے سے اور ماں کو بیٹی سے جدا نہین کرتا۔ بلکہ ایماندار اولاد کو حکم دیتا ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے دنیا مین مشرک والدین کا ساتھ دو اور اُن کے ساتھ احسان کرو۔ ع "گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو!"

اب دیکھو کہ اسلام ایک جانب تو اپنی مغلوب قومون اور فرقون سے ایسا خفیف ٹکس لینے پر اکتفا کرتا ہے جو قبل از فتوحات اسلام اُن پر مقرر شدہ محصولون سے کہین کم ہے اور اِس کے ساتھ اُن کو امن و امان کے ساتھ رہنے حکومت کے معاملات مین خلل نہ ڈالنے یا اُس سے بغاوت نہ برپا کرنے اور عام حکمرانی کے نظام کو درہم و برہم کرنے کا قصد نہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے جسکے بعد اُن کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنے خاص کاروبار جس طرح

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲ جنگ ان سبکو برباد کر دینے کا جابجا صریحی حکم موجود ہے۔ تثنیۃ الاشتراع باب ۱۳ : ۹- جبکہ درپردہ تیرا ماں جایا بھائی۔ یا تیرا بیٹا یا بیٹی۔ یا تیری ہمنشین عورت۔ یا تیرا جانی دوست تجھے اغوا کرکے کہے کہ آؤ ہم اور تم سب چلکر اُن دوسرے معبودون کی پرستش کرین جن کو نہ تم جانتے ہو اور نہ تمہارے ماں باپ جانتے تھے۔ اور وہ معبود دنیا کی تم سے تمام دور و نزدیک رہنے والی قومون کے بھی معبود نہین ہین تو تم کبھی اُن کے کہنے پر راضی نہ ہونا۔ اُن کی بات نہ سُننا اور نہ اُنپر رحم کی نظر ڈالنا۔ نہ اُن کو چھپانا۔ بلکہ فوراً قتل کر ڈالنا! الخ۔ غرضکہ ایسی ہی بہت سی آیتین موجود ہین جنکے کہانتک نقل کیا جاسکتا ہے--

دل مین آئے انجام دین نہ اُنپر کسی طرح کی نگرانی ہے نہ کوئی روک ٹوک۔ صرف اُنہی کی ضمیر ون پر تمام باتون کی تعمیل کا دارومدار ہے۔ اور دوسری جانب سے مومن لوگون کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے مشرک عزیزون اور رشتہ دارون سے قطع تعلق نہ کرین۔ بلکہ اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرین۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگون کے اندرونی معاملات کا خدا پر چھوڑ دینا اسلام کی طبیعت مین داخل ہے۔ اور اسکی سرشت یہ ہے کہ اپنے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنے والون کو ہر طرح پناہ دے۔ اُن کی حفاظت کرے۔ گو وہ لوگ کیسی ہی سخت گمراہی اور جہالت مین گرفتار ہون۔ مگر اسلام اُنہین زبردستی اپنے نور ہدایت سے منور بنانا نہین چاہتا۔ پھر کیا ان تمام باتون کو معلوم کر کے بھی کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا ہے کہ اسلام علم اور علماء کو ٹھنڈے دل سے نہین دیکھ سکتا؟ یا اُس مین فضیلت اور اُن اہل فضیلت لوگون کے ساتھ جنہون نے اپنی ساری عمر کسی بہترین حقیقت کے انکشاف یا ثبوت یا کسی علمی طریقہ کے آسان بنانے مین صرف کر دی ہے سلوک اور رعایت کرنیکا مادہ نہین؟ نہین۔ کوئی شخص بشرطیکہ وہ منصف بھی ہو ایسی لغویات زبان پر لائیگا غرضکہ علمی تحقیقات کے بارہ مین جسکا دل چاہے آزادی کے ساتھ آسمان و زمین کے قلابے ملائے آسمان پر چڑھ جائے۔ قطب جنوبی کی سیر کر آئے۔ اسلام اُسکی راہ مین ہرگز حائل نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ کسی قسم کا فساد برپا کرنا چاہے یا امن عامہ مین خلل انداز ہو تو بیشک اُس وقت اسلام حکومت کے ہاتھ سے کام لے گا۔ اور مکار کو اُس کے مکر و فریب کا مزہ چکھائیگا

اسلام کی ساتوین اصل مخالف عقیدہ رکھنے والون کے ساتھ دوستی اور محبت کرنا ہے

شادی کا ناطہ اسلام نے مسلمان کے لئے کتابی عورت سے شادی کرنا مباح کر دیا ہے خواہ وہ یہودیہ ہو یا نصرانیہ۔ اور مسلمان شوہر پر کتابیہ بیوی کے حقوق یہ رکھے ہین کہ اُسے اپنے عقیدہ پر قائم رہنے اور اپنے فرائض عبادت بجالانے۔ اور اپنے معبدون مین

جانے کی پوری آزادی عطا کرے۔ حالانکہ عورت مرد کے بدن کا ایک حصہ۔ اُسکے رنج و راحت سفر و حضر کی شریک۔ اُسکے بچون کی ماں۔ اُسکی رفیق تنہائی۔ اُسکے گھر کی ملکہ اور کنبہ پر حکومت کرنے مین اُسکی شریک ہے۔ اسلام نے کتابیہ اور مسلمہ بیوی کے حقوق مین کوئی امتیازی درجہ نہین قائم کیا ہے۔ نہ کتابیہ بیوی کو اختلاف عقیدہ کی وجہ سے شوہر کا ساتھی ہونے سے الگ کیا گیا۔ بلکہ جس طرح ایک مسلمان بیوی کو اپنے (مسلمان) شوہر کے لئے آرام جان اور راحت روح کہا گیا ہے اسی طرح کتابیہ عورت کو بھی اُس کے دل و جگر کی مالک اور اُسکے راحت و آرام کی موجب تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

"اور خدا کی نشانیون مین سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اُس نے تمہاری ہی ذاتون مین سے تمہارے لئے جوڑے بنائے تاکہ تم اون کے ساتھ تسکین پاؤ اور تمہارے مابین محبت اور رحم ڈالا بیشک اس بات مین غور کرنے والون کے لئے بہت سی نشانیان ہین"

لہذا کتابیہ عورت کو بھی محبت اور مہربانی کا ویسا ہی حصہ ملیگا جیسا مسلمان عورت کو ملتا ہے اور جس طرح مسلمان شوہر مسلمہ بیوی کی ذات سے آرام پاتا ہے ویسے ہی کتابیہ بیوی بھی اُسکے لئے موجب آرام و راحت ہوگی۔ پھر اس بات کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ بیوی اور شوہر کے رشتہ دارون مین ایسی شادیون سے کس قسم کے دوستانہ تعلقات قایم ہو جائین گے۔ دونون فریقون مین باہمی اُلفت اور اعانت کے روابط مستحکم ہوں گے جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے جس پر طرہ یہ ہوگا کہ ایسی بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ہر طرح اپنے ننہال والون کی نگاہون مین عزیز اور اُن سے قریبانہ تعلقات قایم کرنے والی ہوگی۔ غرضکہ اسلام نے مسلم اور غیر مسلم اہل کتاب کے مابین محبت و یگانگت بڑہانے کا یہ ایسا آسان ذریعہ قرار دیا ہے جو اُس سے پہلے یا پچھلے کسی دین و ملت مین نہین پایا جاتا۔ یہان تک کہ دنیا کے دو قدیم اور صحیح کتابی مذہب

یعنی ہودیت اور نصرانیت بھی اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہین[1]۔

ایک صحیح النظر اور صاحب عقل سلیم انسان اس طرح کے تسامح اور درگزر کی قرارداد کو دیکھکر بلا تامل سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے دین کو ایک ایسا معاملہ قرار دیا ہے جو بالخصوص صرف بندہ اور خدا کے مابین ہونا چاہئے۔ اور عقیدہ ایک دلی خیال کا نام ہے جسکا انجام محض خدائے غیب دان کے ہاتھون مین رہنا چاہئے۔ وہی اس بارہ مین اپنے بندہ سے محاسبہ کر سکتا ہے اور جس طرح چاہے مواخذہ کر سکتا ہے کسی مخلوق کو اس مین دست اندازی کا حق نہین۔ ہان کسی حق آگاہ شخص سے جو کچھ بن پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ غافلون کو متنبہ کردے۔ نادانون کو تعلیم دے۔ گمراہون کو راہ راست دکھائے۔ اور کجروی اختیار کرنے والون کو نصیحت کرے۔ مگر کس طرح؟ اس طرح کہ نہایت نرمی اور محبت وہوا خواہی کے اصول سے تاکہ اُسکی نصیحتون کا پوری طرح اثر بھی پڑے یا اگر اُسکی بات کارگر نہ ہو تو معاملہ مین کوئی مزید پیچیدگی بھی نہ واقع ہو سکے۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ کتابیہ بیوی اگر روشن خیال اور علم وادراک حقائق کی دلدادہ ہوگی اور اپنے مسلمان شوہر کے خلاف عقیدہ کسی دوسرے عقیدہ کو اختیار کرے گی تو اس سے مرد کی وہ محبت جو

---

[1] بعض عیسائی یہ اعتراض کرتے ہین کہ جس حالت مین مسلمان مرد کو کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دیگئی ہے اور اسکا مدعا یہ قرار دیا گیا ہے کہ نوع بشر آپسمین اتحاد ویگانگت پیدا کرنے کے لئے عقیدہ اور مذہب کے اختلاف کی پروا نکرے تو اسکی کیا وجہ ہے کہ کتابی مرد کو مسلمہ عورت سے نکاح کرنے کی رخصت نہین دی گئی؟ کیونکہ اس مین بھی وہی غرض مضمر تھی؟ ہم کہتے ہین۔ مانی ہوئی بات ہے کہ مرد عورتون کی نسبت زیادہ قوی اور صاحب طاقت ہوتے ہین اور وہ عورتون پر حکمران رہتے ہین۔ اسلئے یہ بات قرین عدل اور مقتضائے رحمت نہ تھی کہ ایک قوی فرد کو جو اپنے دینی احکام کے لحاظ سے مخالف عقیدہ بیوی۔ بچون۔ اور والدین کو برا سمجھنے پر مجبور ہے کمزور فرد (بیوی) پر مسلط کرکے اُسکی زندگی تلخ کردیجائے۔ ہان اسلام نے یہ امر اُس شخص کے لئے مباح کردیا جو عدل اور مہربانی کے اصول پر عمل رکھنے پر مامور ہے اور اُن کی پابندی بھی کرتا ہے۔ اور وہ صرف مسلمان مرد ہے۔ + (المنار)

اُسے اپنی بیوی کے ساتھ ہونی چاہئے کم ہوجائے گی ؟ یا وہ مہربانی کا احساس جو خداوند کریم نے شوہر اور بیوی کے دلوں مین ڈالا ہے باقی نہ رہیگا ؟ ہرگز نہین - کیونکہ جس حالت مین مسلمان شخص اپنے عقیدہ کے مخالف عقیدہ رکھنے والون سے الفت واعانت کا برتاؤ کرنے پر طیار ہے اور اُن سے اصول مجاملت کا برتاؤ برتتا ہے تو اسکی کوئی وجہ نہین ہوسکتی کہ وہ ایک عالمہ اور محققہ بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے مین تنگدلی کا اظہار کرے جو اپنی روشن دماغی اور بلند نظری کو کسی اہم علمی راز یا اسرار کائنات اور قاعدہ صنعت کے انکشاف وتعیین مین صرف کر رہی ہو اور اس طرح دنیا کو دماغی فوائد پہونچانے پر آمادہ ہو - اگرچہ یہ اُمور بظاہر اُس مسلمان شوہر کے ذاتی عقاید سے مخالف ہون لیکن وہ کبھی اس بارہ مین روک ٹوک نہین کریگا -

بہرحال اگر مین اُن عناصر اور اجزا کو ایک سرے سے گننا شروع کردون جو اسلام کی طبیعت مین رحم وکرم کا مزاج جمع کرتے ہین اور علم کے ساتھ آسانی برتنے کی حقیقت کو وجود مین لاتے ہین تو غالباً ایسے ایسے رسالے تو کیا ہین صدہا دفتر بھی اسکے لئے کافی نہونگے لہٰذا میرا فرض ہے کہ اب ایک آخری اور ضروری اصل کا ذکر کرلینے کے بعد اس گفتگو کا سلسلہ ختم کردون اور وہ حسب ذیل ہے :-

اسلام کی آٹھوین اصل دین ودنیا کی خوبیون کا باہم جمع کرلینا ہے

صحت | اسلام مین زندگی دین پر مقدم رکھی گئی ہے - اگرچہ پاکیزہ مذہب حنیفی کے احکام بندہ کو خدا کی طرف کھینچ لئے جاتے ہین - اُسکے قلب مین خوف خدا بھرے دیتے ہین اور ایمان کا مرکز رجا اور خوف کے مابین قرار دیتے ہین تاہم باوجود اسکے وہ کچھ اُسے اپنی روزی کمانے سے نہین روکتے اور نہ اپنی کمائی ہوئی دولت سے فایدہ اٹھانے کو منع کرتے ہین - اسلام اپنے پیرو پر خشک زاہد بننے اور فوق العادت ترک لذات کردینے کا حکم نہین لگاتا -

شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہین فرمایا کہ "اپنی تمام ملکیت بیچکر میری پیروی کرو" لیکن جس شخص نے اپنے مال مین سے ازخود ہی کچھ صدقہ اور خیرات کی مد مین دینے کا مشورہ طلب کیا تو آپنے اُس سے یہ ارشاد فرمایا "الثلث والثلث کثیر" انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس[1]"

نرمی اور آسانی مسلمانون پر روزہ فرض ہے۔ مگر جس وقت روزہ رکھنے سے بیماری پیدا ہونے یا بڑھجانے کا خوف ہو یا اُس مین تکلیف زیادہ ہوجائے تو اُسکا ترک کردینا جایز ہی بلکہ بعض اوقات جبکہ اُس مین ضرر کا گمان غالب ہو تو ترک صوم واجب ہوجاتا ہے۔ وضو اور غسل صحت نماز کے شرائط مین داخل ہین لیکن جس وقت اُن سے کسی نقصان کا خوف ہو یا پانی ملنے مین کوئی دشواری پیش آئے تو اس وقت یہ شرط ساقط ہوجاتی ہے۔ قیام صحت نماز کے لئے واجب ہے مگر جب اس مین کوئی سخت تکلیف ہو تو حکم ہے کہ بیٹھکر نماز پڑھ لے۔ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد مین جانا واجب ہے لیکن جس وقت راستہ مین سخت کیچڑ ہو یا پانی زور کا پڑرہا ہو جسکی وجہ سے مسجد تک جانے مین دقت اور مشکل پڑتی ہے تو جمعہ بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ اور اسی طرح یہ عام قاعدہ پایا جاتا ہے کہ "جسمانی صحت دینی صحت

---

[1] یہ سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث کی جانب اشارہ ہے جسکو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہین کہ سعدؓ حج وداع کے زمانہ مین مریض تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لئے تشریف لیگئے۔ سعدؓ کا ارادہ تھا کہ اپنے مال کے دو تہائی حصے۔ اور ایک روایت مین ہی کہ اپنا سارا مال راہ خدا مین دیدین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے بیٹون کے واسطے کیا چھوڑا ہے؟ سعدؓ نے کہا کہ وہ خود دولتمند ہین۔ اور ایک جماعت کی روایت مین آیا ہی کہ سعدؓ کی ایک لڑکی تھی اور احمدؒ اور نسائیؒ کی روایت مین آیا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کو پہلے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ مین دینے کی ہدایت فرمائی۔ اور خلاصہ یہ ہو کہ سعدؓ بار بار زیادتی کا اصرار کرتے رہے یہانتک کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ثلث پر راضی ہوگئے۔ اور اس حدیث سے زیادتی حرام قرار پائی۔ (المنار)

پر مقدم ہے" اور اس طرح صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مذہب نے اپنے احکام مین جس طرح روح کی صحت و سلامتی کا لحاظ رکھا ہے ویسے ہی جسمانی تندرستی پر بھی خیال کیا ہے۔

زیب و زینت اسلام نے اپنے پابندون کے واسطے بشرط اعتدال پسندی اور میانہ روی کے زیب و زینت کے جملہ اقسام اور جائز انسانی خواہشون سے تمتع اٹھانا مباح کر دیا ہے۔ البتہ ان امور مین نیک نیتی۔ حدود شرعی سے آگے نہ بڑھنا۔ اور مردانہ صفات کی حفاظت کرنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم مین آیا ہے :-

يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ. قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ. كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (پارہ ۸ سورہ اعراف رکوع ۳)

اے اولاد آدم! لو تم زینت اپنی وقت ہر نماز کے اور کھاؤ اور پیو۔ اور اسراف نہ کرو۔ بیشک اُسکو (خدا کو) اسراف کرنیوالے اچھے نہین معلوم ہوتے۔ تو کہدے (اے پیغمبرؐ) کسنے حرام کی ہو زینت اللہ کی جو پیدا کی ہے اُسنے اپنے بندون کے واسطے اور ستھری چیزین کھانے کی۔ کہدو وہ اُن ایمان والون ہی کیلئے ہے جو دنیا کی زندگی مین ایمان لائے (اور) قیامت کے دن خالص اُنہین کیلئے ہے۔ اسی طرح کھولکر بیان کرتے ہین ہم نشانیان (اپنی) اُن لوگون کے لئے جو سمجھتے ہین۔ کہدو کہ میرے خدا نے صرف بُری کام والی کو منع کیا ہے جو اُن مین سے کھلے ہوئے ہین اور جو ڈھکے ہوئے ہین اور گناہ۔ اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو کہ تم اُس شخص کو خدا کا شریک بناؤ جسکی اُس نے کوئی سند نہین اُتاری۔ اور یہ کہ جھوٹھ بولو اللہ پر جو تمکو معلوم نہین "

پھر خداوند کریم نے اپنی اُن نعمتون اور زیب و زینت کی چیزون کا شمار دیا ہے جو اُس نے

ہم پر نازل کی ہین اور اپنے احسانات کو یاد دلایا ہے اور اس طریقہ سے ہماری طبیعتون کو اپنے یاد کرنے اور شکر گزاری کرتے رہنے کی ترغیب دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے :-

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ

"اور تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جنمین گرمی (اون) ہے اور فائدے ہین اور انمین سے بعض کو تم کھاتے ہو اور تمہارے لئے انمین رونق و خوبی ہے جبکہ تم انہین شام کو گھر لاکر باندھتے ہو اور (صبح کو) چرنے کے لئے چھوڑتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ اٹھاکر اس شہر کی طرف لیجاتے ہین جہان تم نہین پہنچ سکتے تھے۔ مگر بڑی جانکاہیون سے بیشک تمہارا پروردگار رؤف و رحیم ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم انپر سوار ہو اور وہ زینت ہین۔ اور پیدا کریگا جو کہ تم نہین جانتے"

پھر فرماتا ہے :-

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

(سورہ نحل رکوع ۱۲ - پارہ ۱۴)

"اور وہی (خدا) ہے جسنے دریا کو تمہارے قابو مین دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور (موتی) نکالو جسے تم پہنتے ہو۔ اور دیکھے تو کشتیان اسمین (پانی کو) پھاڑتی چلتی اور تاکہ چاہو تم فضل اسکا اور شاید کہ تم اسکا شکر کرو"

کفایت شعاری اسی طرح اسلام نے مال کو خرچ کرنے اور محفوظ رکھنے کے لئے بھی ایک اہم قانون بنایا ہے چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے :-

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا

"بیشک تفضول خرچ اور دولت کو اڑانے والے شیطان کے بھائی ہین اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور نہ رکھ تو اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے

كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا - ساتھ - اور نہ کھولدے اسکو بالکل کھولدینا کہ پھر تو
(سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳ - پارہ - ۱۵-) ملامت کیا گیا حسرت زدہ ہوکر بیٹھ رہے "

دین مین غلو کرنیکی ممانعت

چونکہ مومن کیطرف سے اس بات کا اندیشہ تھا کہ وہ طلب آخرت مین غلو کرکے اور اُسی کے خیال مین ڈوب کر اپنی دنیا کو بالکل تباہ کرڈالیگا اور اس بات کو بھول جائیگا کہ اُسے دنیا مین بھی کچھ کرنا چلئیے - اسلئے قرآن پاک نے ہمین تبلایا ہے کہ ہم دنیا مین نعمائے الٰہی سے لطف حاصل کرنیکے ساتھ ہی آخرت کی خوبی حاصل کرسکتے ہین -

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ

(سورہ قصص رکوع ۷ - پارہ ۲۰)

"اور خواہش کرو اُس چیز سے جو تمکو خدا نے دی ہے پچھلے گھر کی اور اپنا حصہ دنیا سے نہ بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھسے بھلائی کی ہے اور نہ چاہو زمین مین فساد پھیلانا - بیشک اللہ کو خرابی ڈالنے والے لوگ پسند نہین آتے "

اب معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام نے حواس انسانی کے حق مین کوئی کمی نہین کی ہے بلکہ انھین پوری طرح اُن کے حقوق سے بہرہ ور ہونے کا اذن عام دیا ہے اور جس طرح اُس نے روح کو انسان کے مرتبہ کمال پر پہونچنے کے لئے آمادہ کیا ہے ویسے ہی اُسکے جسم کو اپنی جائز خواہشون سے تمتع اٹھانے کی آزادی عطا کی ہے - اسلئے اسلام اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے انسان کی حقیقت کے اجزا ایک جا جمع کردئے ہین - اور اُسکو حیوان ناطق شمار کیا ہے یعنی نہ صرف بندہ جسم اور تن پرور بنایا ہے اور نہ خالص ملکوتی اور فرشتہ نوری بلکہ جس طرح اُسے آخرت کیلئے کام کا بنایا ویسے ہی اُسکو دنیا کی آبادی کا بھی اہل کیا ہے - اور جیسے اُسکو اپنا روحانی مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنیکے لئے دعوت دی ہے ویسے ہی اُسے اس جسمانی دنیا والون کے زمرہ مین بھی باقی رکھا ہے - جیسا کہ آیت مذکورہ بالا سے

ثابت ہوتا ہے اور اسی کے موافق خداوند کریم کا قول :-

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا - "وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے تمام روئے زمین کی چیزیں پیدا کیں"

انسان کی تمام قوتوں کو مطلق العنان اور آزاد بنا رہا ہے تاکہ وہ میانہ روی کے ساتھ لذات زندگی سے حصہ لیکر اپنے انتہائی مرکز۔ عالم روحانی۔ پر جا پہونچے۔ اور نفوس انسانی کی سرشت مین ایک دوسرے سے چشمک رکھنا اور جس چیز کو وہ بہتر سمجھتا یا لذیذ اور مفید پاتا ہو اُسکے لیئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی سعی کرنا۔ داخل کر دیا گیا ہے۔

اور انسان کی یہ فطری خواہش کسی مقررہ حد پر پہونچکر رک نہین جاتی بلکہ خداوند کریم نے اُسے ہر طرح کے کمالات مین من کل الوجوہ ایسی روز افزون ترقی کرنے کی قوت و استعداد عطا فرمائی ہے کہ جسکے لیئے کوئی حد ہی نہین قرار پا سکتی۔

نتیجہ — اسلیئے جبکہ خالق جان آفرین اور دل و دماغ کے سچے رہبر و ہادی نے ہر ایک نفس کے لیئے حصول فلاح کی رغبت دلانے والے اور اُسپر برانگیختہ کرنیوالے دو ذریعے جمع فرمادیئے ہین۔ جن مین سے ایک ذریعہ اسباب زندگی سے لطف اُٹھانے اور دوسرا ذریعہ آخرت کی نعیم جاودانی کے جانب مایل ہونے کے لیئے کارآمد ہے تو اس طریقہ سے گویا اُسکے واسطے دنیا مین اولیٰ اور حقیر چیزون پر نظر نہ ڈالنے اور آخرت مین بحث عذاب سے بچنے کی تدبیر کرنیکا پورا سامان فراہم کر دیا گیا ہے۔ اب ہر ایک نفس اپنی استعداد کے مطابق ہمت اور عالی حوصلگی سے کام لیکر اس عالم ہستی مین بھی اپنے فوائد کی جستجو کرتا ہے جسمین وہ پیدا کیا گیا ہے اور جو اُسی کے لیئے پیدا ہوا۔ جغرافیائی تحقیقات۔ علم طبقات الارض۔ علم خواص الاشیاء۔ علم الہواء۔ علم المیاہ علم نجوم۔ علم الفلک۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہین؟ محض انسانی دماغ اور بشری غور و فکر اور تلاش و تفحص کے نتائج ہین۔ اور مذہب اسلام اِن مین مصروف ہونے سے کسی کو نہین روکتا۔ بلکہ وہ صلائے عام دیتا ہے کہ اپنی ضرورتین پوری کرنے۔ اپنے فوائد حاصل کرنے۔ اپنی طبیعی اور جائز خواہشون سے حظ اُٹھانے مین تمام انسان آزاد ہین بشرطیکہ اِن اُمور مین وہ شریعت الٰہی اور سنت

فطرت کے حدود سے قدم نہ نکالین اور اخلاق و انسانیت کے دائرہ سے خارج نہ ہو جائین پہر اگر اسکے مقابلہ پر مذہب عیسوی کے اصول و قوانین کو رکہکر جانچا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ کہان اسلام کی ترقی تمدن، اصلاح معاشرت، تحقیقات علمی اور آبادی عالم مین کوشش کرنے کی عام اجازت اور کہان مذہب عیسوی کی یہ ہدایت کہ نجات کا رستہ بجز اس دنیا سے ترک تعلق کرنے اور اسکی لذتون سے کنارہ کش ہونے کے مل ہی نہین سکتا۔ مسیحیت کا زرین اصول یہ ہے کہ دولتمندی اور تمول ایک تاریک پردہ ہے جو نفس انسانی اور ملکوت آسمانی کے مابین حائل ہے اور ممکن نہین کہ اس پردہ کو کسی طرح چاک کرکے نور الٰہی کی تجلی کا نظارہ کیا جا سکے۔ +

ایک مسلمان اس وقت تک نعمت الٰہی کا شکریہ ادا ہی نہین کر سکتا جبتک تمام عالم کائنات کو اپنے نظر غور کے تحت مین نہ لائے۔ تاکہ اسکے ظاہری آثار سے اسکے باطنی اسرار کا انکشاف کر سکے۔ اور قوانین قدرت اور نوامیس طبیعت کا پتا لگائے تاکہ جو باتین اسکو منفعت بخش معلوم ہون۔ انہین اپنی ضروریات مین استعمال کرے اور زبان کو نغمۂ شکر ایزدی سے مترنم رکھے۔ ~

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار + ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

اور اگر وہ صحیفۂ فطرت کے مطالعہ مین کاہلی یا غفلت سے کام لیگا تو علاوہ اسکے کہ خالق عالم جل شانہ کا حق شکر نہ ادا کر سکیگا۔ کتاب الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرتابی کرنیکا بہی مجرم قرار پائے گا۔ کیونکہ قرآن پاک اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کہلے کہلے لفظون مین بیان کرتے ہین کہ یہ عالم ہستی صرف انسان ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خداوند کریم نے اسے سرتاسر عقل بشری کے قبضہ و تصرف مین دیدیا ہے۔ دیکہو سابق الذکر آیت کریمہ "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ ۔ الآیہ" مین کس لطف اندوبی کا اشارہ کیا گیا ہے جہان کہ پروردگار عالم فرماتا ہے "كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ

اہل علم وہی لوگ ہین جو اپنے بسر اوقات کے اسباب بر رحمت۔ اپنی معاشرت کے سامان زینت۔ اور اپنی حالت کو درست بنانے والے ذرائع مین نعمت آلہی اور افضال ایزدی کی مقدار سے واقفیت حاصل کرتے ہین۔

مسلمان اپنے دینی احکام کی رو سے عزت و برتری عظمت و جبروت اور حکومت و ایالت کے اسباب فراہم کرنے پر آمادہ بنائے گئے ہین۔ وہ ان امور کی تحصیل مین کسی معمولی یا ادنیٰ درجہ پر رکنا نہین چاہتے۔ بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہونے کے خواہشمند ہوتے ہین جسکا حصول اور جسکے وسائل کی زیادتی علم و ہنر پر موقوف ہے لہٰذا وہ بالطبع طلب علم پر والہ و شیدا رہتے ہین۔ اُنکو تحصیل علم کے وقت اس بات کی کوئی پروا نہین ہوتی کہ اُن کا اُستاد کون ہے آیا وہ اُن کا ہم عقیدہ ہے یا غیر مذہب اور مختلف العقائد شخص ہے۔ نیک چلن ہے یا بدرویہ۔ آزاد ہے یا غلام۔ غرضکہ زمان و مکان، موقع و محل کسی امر کا خیال نہین کرتے۔ بلکہ جس طرح پیاسا آدمی صحرائے ریگزار مین گندہ چھپڑون کا پانی بھی پینے مین مضائقہ نہین کرتا۔ اسیطرح مسلمانون کو علم اور اہل علم کی قدر شناسی مین اُن کے ظاہری اطوار و عادات اور حالات و عقائد پر خیال کرنے کی ضرورت نہین ہوتی ہان جو امر اُن کے پیش نظر رہتا ہے وہ طلب علم اور حصول حکمت ہے جو اُن کے ہادی برحق کی ہدایت ہے۔ "الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا"

(خواجہ حالی) ؎ کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو + جہان پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو۔

اور وہ اپنے خالق و معبود کا قول ؎

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ "	"جسکو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دیجاتی ہو اُسے بہت کچھ بہتری حاصل ہوتی ہے اور نہین یاد کرتے مگر سمجھدار لوگ"

ہر وقت اپنا نصب العین بنائے رہتے ہین۔ پھر مسلمان ہی تو ہین جن کے پروردگار نے

اہل حکمت اور علما کی شان مین فرمایا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔	"یہ لوگ جو قول کو سنکر اُس مین سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہین"

بہرحال اگر مسلمان سچا مسلمان ہے تو علم کے ساتھ اُسکو ایسا اعلیٰ درجہ کا مذاق ہوگا جسکی نظیر نہ مل سکے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے جو اُسکے مذہب کی طبیعت مین داخل ہے۔ اور "اطلبوا العلم ولو بالصین" کی حدیث اگرچہ اُسکے لفظی سناد مین کچھ گفتگو کی جاتی ہے پھر بھی اس مین شک نہین کہ معناً اُسکی روایت رسول علیہ السلام تک صحیح اور متواتر ہے جس کے ماسوا خود قرآن بھی اُسکا اسناد کرتا ہے کیونکہ اللہ پاک علم اور اہل علم کو مطلق طور پر بلا کسی قید و استثنا کے عام انسانون پر فضیلت عطا فرما رہا ہے۔ اِس لئے ایک مسلمان پر طلب علم فرض اور واجب ہے۔ خواہ اُسکے حصول کے لئے اُسے چین ہی مین کیون نہ جانا پڑے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین چین کی سرزمین پر کوئی متنفس مسلمان نہین پایا جاتا تھا۔

دنیا مین کوئی چیز ایسی نہین پائی جاتی جو پہلے کسی دوسری غرض سے حاصل کیجاتی ہو اور حاصل ہونے کے بعد وہ خود ایک ایسی لذت بنجائے کہ خود ہی مقصود بالذات ہوجائے مگر یہ صفت علم مین موجود ہے کیونکہ ابتداءً انسان بسر اوقات کے ذرائع بہم پہونچانے۔ خوش حالی۔ ذاتی یا قومی مدافعت وغیرہ وغیرہ کی غرض سے علم سیکھتا ہے لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اُسے خود علم مین وہ لذت ملنے لگتی ہے کہ اب وہ بجائے مقصود بالعرض ہونے کے مقصود بالذات ٹھہر جاتا ہے۔ اور انسان شب و روز اُسی کے کشف غوامض مین منہمک رہتا ہے۔ غالباً اس موقع پر سوال ہوگا کہ ایسا کیون ہوتا ہے؟ ہم کہتے ہین کہ اسکی وجہ صاف اور واضح ہے کیونکہ علم عقلی اور دماغی غور کا جولانگاہ ہے۔ اور عقل انسان کی تمام قوتون مین سب سے بہتر و برتر قوت ہے کہ حکیم و دانا خدا نے جیسی لذتین ہر ایک قوت کے لئے مقرر کی ہین ویسی ہی ایک

لذت قوت عقل کے واسطے بھی وضع فرمائی ہے۔ مجھے اس بات کی تو ضرورت نہین معلوم ہوتی کہ ظاہری حواس خمسہ کی خاص خاص لذتین الگ الگ گناؤن کیونکہ انسان تو انسان اور حیوان ناطق ہے حیوان مطلق تک اِن حواس کی لذتون سے بخوبی آگاہ ہین۔ پھر جس قدر قوت کی نوعیت خاص ہوگی اُسی انداز سے اُسکے استعمال مین بھی خاص لذت پائی جائیگی چنانچہ انسان کو سب سے بڑھکر مزہ اس بات مین ملتا ہے کہ وہ کسی نامعلوم راز کا انکشاف کرے اور اسکے حصول کا ذریعہ ہے علم وعقل لہذا ضرور ہے کہ علم مین انسان کو بہت کچھ لطف حاصل ہو اور جبکہ اسلام نے اپنے پیرو کو بڑی کشادہ دلی سے اِس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ اس دنیاوی زندگی کی جسمانی لذتون سے اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ حظ اُٹھائے۔ تو کیا جس طرح اُسے دنیاوی کاروبار مین مصروف ہونے اور اپنے کسب معاش کے لئے بسیط زمین مین سفر کرنے کی اجازت ملی ہے اسی طرح اُسکو علمی قلمرو مین سیاحت کی اجازت دینا مناسب نہ ہوگا تاکہ وہ اپنی عقل کو بھی اُسکی لذت سے بہرہ ور کرسکے؟ علاوہ برین جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین چونکہ علم ایک مسلمان کی ضروریات معاش مین داخل ہے تو بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک چیز جو پہلے بوجہ ضرورت استعمال کیجاتی ہو رفتہ رفتہ وہی عادت اور پھر عادت سے طبیعت ثانیہ بنجاتی ہے۔ جیسا کہ بہت سے مسلمانون پر گزر چکا ہے مسلمانون کے ائمہ مین سے ایک جلیل القدر امام کا قول ہے "طلبنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ" ہم نے علم کو غیر خدا کے واسطے طلب کرنا چاہا۔ مگر علم نے اس بات سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ محض خدا ہی کے لئے قابل طلب ہے۔

مسلمانون مین ان اصول نے کیا آثار اور نتائج دکھائے ہین؟

اسلام کی اس طبیعت نے مسلمانون پر کیا اثر دکھایا؟ اور اُن کے اسلاف اولین پر اسکا کیا عکس پڑا؟ ملک مصر کی فتح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے واصل بحق ہونیکے چھ اور ایک

دوسری روایت کے مطابق نو سال بعد عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں مکمل ہوئی اور اُنہوں نے شہر اسکندریہ پر قبضہ کر کے پہلے اُسی کو صدر مقام قرار دینا چاہا۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ابھی اسلام کی صبح صادق دنیا میں طلوع ہو کر اپنی روشنی بتدریج پھیلا رہی تھی۔ اُن دنوں اسکندریہ میں ایک یعقوبی فرقہ کا مسیحی عالم "یوحنا نحوی" نامی اگلے زمانہ کی یادگار تھا۔ یہ حکیم ابتدائے عمر میں ملاحی کا پیشہ کیا کرتا اور ایک کشتی پر لوگوں کو سوار کر کے دریائے نیل کے پار اُتارا کرتا تھا۔ مگر اُس کی طبیعت علم کی طرف مائل تھی۔ اسلئے جب اُسکی کشتی میں کچھ پڑھے لکھے یا ذی علم لوگ سوار ہوتے تو وہ اُن کی علمی گفتگو کو نہایت غور سے سُنا کرتا۔ پھر اُسکا شوق زیادہ بڑھ گیا۔ تو ملاحی کا پیشہ ترک کر کے طالبعلمی شروع کی۔ اُس وقت "یحییٰ" کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی۔ مگر خداداد شوق اور محنت نے اُسے علم و کمال کے اُس درجہ پر پہنچا دیا جو بچپن کے زمانہ سے علمی گودوں میں پرورش پانے والوں کو بھی نصیب نہ ہو سکا۔ "یحییٰ" نے کئی ایک فن بہت عمدہ طور پر حاصل کر لئے یہاں تک وہ اپنے وقت کا نامی فلاسفر طبیب۔ اور منطقی تسلیم کیا گیا ہے۔

مسلمان اور یوروپین مورخوں کی ایک بڑی تعداد بوثوق یہ بیان کرتی ہے کہ عمرو بن عاصؓ نے یحییٰ کی شہرت علمی اور قابلیت کا تذکرہ سُنکر اُسے اپنا مقرب بنایا اور اُسکے علم و فضل کا پوری طرح اکرام کیا۔ اور آپسمیں اُنکی ایسی گہری محبت ہو گئی جسکا حال عام طور پر مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ایک یوروپین عالم اور مؤرخ لکھتا ہے:۔ "عمرو بن عاصؓ فاتح مصر اور یوحنا نحوی میں باہم جس طرح کی اُلفت اور محبت پیدا ہو گئی تھی وہ ہمارے لئے اِس بات کی بہت عمدہ نظیر قائم کرتی ہے کہ ایک صحرانشین عربی آدمی کی عقل کس درجہ کی آزاد خیالی اور روشن دماغی سے بہرہ ور ہو سکتی ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت کی بت پرستی کے قید و بند سے چھوٹتے اور توحید محمدی کے حلقہ میں داخل ہوتے ہی ہر طرح کے عقلی اور اخلاقی علوم کے میدانوں میں جولانی دکھلانیکے لئے آمادہ اور پوری طرح موزوں بنگیا"۔

مسلمانوں کا خلا ملا۔ فارس۔ شام۔ اور سواد عراق کے غیر مذہب لوگوں سے ہوا جنکو اُنہوں نے

اپنے کاروبار مین دخیل بنایا اور مذہب نے مسلمانون کو کبھی اس بات کی ممانعت نہین کی کہ وہ غیر مسلم قومون سے کوئی ملکی خدمت نہ لین۔ یہان تک کہ ملک شام مین ابتدائی اسلامی حکومت کے تمام دفاتر رومی زبان ہی مین تھے۔ اور بیسیون سال کے بعد دفترون کی زبان عربی قرار دی گئی۔ غرضکہ اس میل جول کا نتیجہ مبادلہ خیالات بھی نکلا جسکو مذہب اسلام کی کشادہ دلی نے برا نہین سمجھا اور مسلمان لوگ عام طور پر علوم و فنون، اور دستکاریون کے سیکھنے مین مصروف ہوئے۔

مسلمانون کا پہلے علوم ادبیہ اور پھر بتدریج علوم عقلیہ کی تحصیل مین بھی مشغول ہونا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بیس سال بعد خلیفہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے لوگون کو عربی زبان دانی کے علوم حاصل کرنے پر توجہ دلانی شروع کی۔ اور یہ دیکھکر کہ غیر عربی اقوام کے بکثرت مشرف باسلام ہونے جانے سے عربی زبان کی حفاظت اور اسکے قواعد وضع کرنے کی حاجت ہوگئی ہے۔ انہون نے "ابوالاسود" کو نحوی قواعد وضع کرنے کیلیے ارشاد فرمایا۔ اس وقت اندرونی فسادات اور خانہ جنگیون نے اسلامی قلمرو مین سخت ہلچل اور بدامنی پھیلا رکھی تھی۔ خلافت کا جھگڑا پولیٹکل سازشون کی گرم بازاری مسلمانون کو ہر ایک دینی اور دنیاوی معاملہ سے ہٹاکر ہمہ تن اپنے ہی جانب متوجہ کر رہی تھی۔ مگر باایں ہمہ وہ قانون فطرت کے اقتضا سے تدریجی طور پر علوم و فنون کی تحصیل بھی کرتے ہی گئے چنانچہ علم وقائع عرب اُن کی تاریخ۔ شعر گوئی۔ اور بلیغ نثر عبارت کی انشا پردازی بنی اُمیہ کی خلافت کے قلیل زمانہ ہی مین اس حد تک ترقی کر گئی تھی کہ کسی دوسری قوم مین اتنی تھوڑی مدت کے اندر لٹریچر نے ہرگز ایسا عروج نہین پایا۔ جسکے ساتھ ہی اموی خلفا اہل ادب کی قدر و منزلت کرتے رہتے تھے اور شاعرون علم سیر کے عالمون۔ اور خطیبون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ اُن کے آخری دور حکومت مین علوم عقلیہ کے آثار بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ اور بہت سی صنعت و حرفت

علوم عقلیہ کی کتابین غیر زبانون سے عربی زبان مین ترجمہ بھی کر لی گئی تھین۔ حالانکہ ہنوز پہلی صدی ہجری کا خاتمہ نہین ہونے پایا تھا۔ +

اموی خلفا نے دار الخلافتہ کو "مدینہ" سے ملک شام مین منتقل کر دیا تھا۔ اور اُنہون نے زاہدانہ زندگی بسر کرنے مین خلفاے راشدین کے طرز معاش کی پیروی نہین کی۔ عمر ابن الخطاب رض کے وقت مین ایرانی دربار کا قاصد بارگاہ خلافت مین حاضر ہوا۔ اور جب اُس نے دریافت کیا کہ خلیفہ کہان ملینگے؟ تو لوگون نے عمر ابن الخطاب رض کے موجود ہونے کی جگہہ بتائی اور قاصد نے جاکر دیکھا کہ شاہنشاہ اسلام قبرستان بقیع مین ایک کھجور کے درخت کے نیچے فرش خاک پر سو رہے ہین۔ اور بہت سے درویش بھی وہین پڑے ہین لیکن امیر معاویہ رض کے دربار مین بھی شاہان روے زمین کے سفیر آئے تو اُنھون نے دیکھا کہ قصر خلافت نہایت شاندار بنا ہوا ہے جس مین عربی طرز تعمیر کی بہترین خوبی دکھائی گئی ہے۔ پائین باغ بھی ہے۔ فوارے اور نہرین بھی ہین اور سارا محل اعلے درجہ کے فروش سے آراستہ ہے جسمین ابہت اور جلالت کے آثار عیان ہین فرنیچر قرینہ اور قاعدہ سے لگا ہوا ہے۔ تو کیا معاویہ رض نے ایسا ٹھاٹھ اختیار کرنے مین اصول دین سے انحراف برتا تھا اور مذہبی احکام کی خلاف ورزی کی تھی؟ ہرگز نہین۔ اُنہون نے صرف مباح چیزون کو استعمال کیا اور خدا کی عطا کی ہوئی نعمتون اور سہولتون سے فایدہ اُٹھایا جس کے ساتھ ہی اُن کی قدر دانی صنعت وحرفت بھی اسی کی مقتضی ہوئی تھی۔ +

دوسری صدی ہجری کے اوائل مین مسلمانون کا علوم کونیہ کی تحصیل مین مشغول ہونا

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین بنی اُمیہ کی حکومت کا زمانہ سرتاسر نزاع وفساد۔ بغاوت وخانہ جنگی۔ اور نہایت بے اطمینانی کے عالم مین بسر ہوا مگر اسکے بعد عباسی حکومت کا سنگ بنیاد زمانہ کے ہاتھون رکھا گیا تو اُسکے آغاز مین بھی دوسری صدی کے ایک ثلث آل بیت نبوی

سے خانہ جنگی رہی جسکے بعد ۱۳۲ ہجری مین خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی جو اس خاندان کا دوسرا فرمانروا تھا دارالسلطنت اور پائے تخت خلافت کو بغداد مین منتقل کر لایا۔ اور یہ شہر جس طرح اسلامی حکومت و خلافت کا دارالمقر اور تمدن کا گہر بنا دیسے ہی دنیا کا بے نظیر دارالعلم بھی قرار پایا۔ خلیفہ منصور نے علم طب اور قانون مذہبی کے مدارس قائم کرنے پر نہایت قابل قدر توجہ کی اور وہ اپنا ذاتی وقت بھی بقدر گنجایش علوم فلکیہ کے حاصل کرنے پر صرف کرتا رہا۔ منصور نے جس کام کو چھیڑا تھا اُسکے پوتے ہارون الرشید نے اُسے حد کمال پر پہنچایا اور اُس نے حکم دیا کہ ہر ایک مسجد کے ماتحت جملہ اقسام علوم کی تعلیم کا ایک مدرسہ بھی قایم کیا جائے۔ بعد ازان ہارون کے خلف الرشید خلیفہ "مامون" کے عہد حکومت مین علم و ہنر اپنے عروج کے بلند ترین زینہ پر پہونچ گیا۔ اور یہ دولت خوب بڑھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ مامون نے ایک سو اونٹون پر بار کرنے کے قابل قلمی کتابون کے نادر نسخے مختلف مقامات سے منگوا کر بغداد کے شاہی کتب خانہ مین فراہم کئے تھے۔ مثیل ثالث امپراطور روم کے ساتھ "مامون" نے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ منجملہ اور چیزون کے قسطنطنیہ کے کتب خانون مین سے ایک پورا کتب خانہ بھی خلافت اسلامیہ کو نذر دے۔ جس وقت وہ کتب خانہ بغداد مین پہنچا تو اُس مین سب سے نفیس کتاب حکیم بطلیموس کی ایک خاص تصنیف ریاضیات فلک کے متعلق بھی نکلی جسکو خلیفہ مامون نے فوراً عربی زبان مین ترجمہ کرنے کا حکم صادر کیا اور وہ ترجمہ "مجسطی" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

غرضکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائیون بنو عباس کے عہد دولت مین جس قدر مختلف علوم کی کتابین عربی زبان مین ترجمہ کی گئین اُن کا شمار کرسکنا آسان نہین ہے اور اسی عہد مین مملکت اسلامی علم و فن کا گہر بنگئی تھی۔

مسلمانون کا عام و خاص کتب خانے قائم کرنا۔

اسلامی حکومتون نے کتب خانون کے قائم کرنے پر اس طرح کی خاص توجہ کی جو اُن سے

پہلے دنیا کی کسی حکومت نے نہین کی تہی۔ چوتھی صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ مین بمقام "قاہرہ" ایک اتنا بڑا کتبخانہ تہا جس مین ایک لاکھ جلدین مختلف علوم وفنون کی کتابون کی موجود تہین منجملہ اُن کے چھ ہزار نسخے صرف علم طب اور علم فلک کی کتابون کے تہے۔ اس کتبخانہ کا دستور یہ رکہا گیا تہا کہ اسکی کتابین۔ قاہرہ" مین قیام۔ رکہنے والے طالب علمون کو عاریتاً دیجایا کرتی تہین تاکہ وہ اُن کے مطالعہ سے اپنا علمی شوق پورا کرین نیز اسی کتب خانہ مین دو آسمانی کُرے رکہے ہوئے تہے جن مین سے ایک خالص چاندی کا اور بقول بعض خود حکیم بطلیموس کے ہاتہون کا بنایا ہوا تہا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کُرۂ فلکی کی تیاری پر تین ہزار دینار صرف ہوئے تہے۔ اور دوسرا کُرۂ برنجی تہا۔ اسپین کے مسلمان خلفا کا کتبخانہ چھ لاکھ جلد کتابون پر حاوی تہا اور محض اُس کی فہرست ۴۴ جلدون مین مرتب ہوئی تہی۔ اور مؤرخین نے وثوق کے ساتہہ لکہا ہے کہ محض مملکت اسپین ہی مین ستر عام کتب خانے (پبلک لائبریریان) موجود تہے جنمین مطالعہ نقل اور ترجمہ کرنے والون کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہین بنی ہوئی تہین۔

بعض خاص خاص لوگ کتابون کے جمع کرنے پر اس قدر فریفتہ ہوتے ہے کہ وہ اپنے گہرون کو درسگاہ بنا لیا کرتے۔ سُلطان بخارا نے اندلس کے ایک طبیب کو بلا بہیجا اور اُسکی ملاقات کا بیحد شوق ظاہر کیا۔ طبیب نے سلطان بخارا کی طلب کا یہ معذرت آمیز جواب بہیجا کہ اُسکی حاضری غیر ممکن ہے کیونکہ اُسکے پاس کتابین اتنی ہین جو چار سو اونٹون پر بار ہوسکین اور اُسے ہر وقت ان تمام کتابون کی ضرورت رہتی ہے۔ اسی طرح حنین بن اسحٰق نسطوری عیسائی عالم نے بغداد مین اپنا گہر اور کتبخانہ عام شائقین علوم کے لئے کہول رکہا تہا جہان علوم عقلیہ اور علوم ریاضیہ کے طالب علم برابر جایا کرتے۔ اور اگر وہ لوگ کسی مسئلہ پر حنین بن اسحاق سے گفتگو کرنے یا کسی پیچیدہ بات کے سمجہانے کی خواہش کیا کرتے تو یہ دانشمند اور نیکدل شخص اس مین بہی کشادہ دلی سے کام لیکر اُن کی آرزو پوری کر دیتا تہا۔ +

مسلمانون کا تعلیم علوم کیلئے مدرسے قائم کرنا اور دہن نشینی کی کیفیت

اسلامی قلمرو باوجود اپنی وسعت و ضخامت کے مدارس اور تعلیم گاہون سے بھرا ہوا تھا۔ وسعت کا تذکرہ خاص طور پر یون کیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت رومانی قلمرو سے کہیں درجہ بڑھکر وسیع تھی اسلامی قلمرو کے گوشہ گوشہ مین بیشمار مدارس موجود تھے۔ مشرق مین منگولیا اور تاتار۔ اور مغرب مین اکثر فینقس۔ اور اسپین کی مملکتین علم و فن کی مخزن تھین۔ اور ہر جگہہ اعلیٰ درجہ کے دار العلم اور کامل الفن اساتذہ بکثرت پائے جاتے تھے۔

اساتذہ کا طریقہ درس یہ تھا کہ ہر ایک مدرس جو کچھہ پڑھانا یا بتانا چاہتا پہلے اُسپر خوب غور کرتا اور جس مضمون پر اُسے درس دینا ہوتا اُسکو اپنے حسب خواہش اچھی طرح قلمبند کر لیتا۔ پھر اسی لکھے ہوئے مضمون کو طالب علمون کے سامنے زبان سے پڑھ کر سناتا جاتا اور طلبا اُسکو لکھہ لیا کرتے۔ زان بعد یہی درس [illegible] کتابین بنجاتیں جو ہر ایک علم و فن کے متعلق ہوتیں اور عام طور پر لوگون مین شائع ہوجاتیں۔ اس مقام پر ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ تمام مورخین بالاتفاق اِس بات کو مانے ہوئے ہین کہ ایسی جملہ کتابین اور مقالات عام طور سے شائع ہوا کرتے اور لوگ اُن کو ایک دوسرے سے نقل کر کے دست بدست سارے ملک مین لیجاتے۔ مگر نہ اسپر کوئی نگرانی ہوتی تھی نہ روک ٹوک۔ اور نہ مصنف کے مضمون مین کسی طرح کی کمی بیشی کی جاتی تھی

[illegible] یک مورخ نے یہ ضرور لکھا ہے کہ بعض ممالک اسلامیہ مین محض عقائد مذہبی کی کتابون کے واسطے ایک ایسا قانون بنایا گیا تھا جسکا مفہوم یہ تھا کہ عقائد کی کوئی کتاب بلا اجازت عام طور پر شائع نہونے پائے۔ لیکن جہان تک مجھکو علم ہوا ہے اور جس قدر میری تحقیقات مین آیا ہے اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن دنون اسلام فی الواقع اسلام تھا اُس زمانہ مین اسلامی ممالک مین کوئی ایسی قید و بندش نہین مقرر ہوئی تھی اور بعد مین جہان اور بہت سی خرابیان پھیل گئین اگر دوسری قومون کی دیکھا دیکھی کسی اسلامی قلمرو مین ایسا ہو بھی گیا ہو تو وہ قابل اعتماد نہین۔ +

بہرحال اب ہم پھر اسلامی مدارس کے حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔ انگریز مورخ گبن نے مسلمانون کے ممالک مشرق و مغرب مین علم کی حمایت کرنے پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے یہ علم اور علماء کی قدردانی اور مدارات۔ مدرسون کے قائم کرنے۔ اور غریب طلبہ کو وظائف دینے کے لیئے فیاضی سے کام لینے مین مسلمان وزیرون اور حکام صوبجات (گورنرون) کا مرتبہ خلفا سے بھی بڑھ گیا تھا اور بسا اوقات وہ اس بارہ مین خلفا سے چشمک رکھا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے علم کا ذوق اور اس کے حاصل کرنے کی لذت سمرقند و بخارا سے لیکر فیض اور قرطبہ تک عام انسانون کے نفوس مین سرایت کر گئی تھی۔ ایک وزیر (نظام الملک طوسی) نے جو صرف ایک سلطان کا وزیر تھا بغداد مین ایک مدرسہ کی تعمیر پر دو لاکھ دینار خرچ کیئے۔ اور پندرہ ہزار دینار سالانہ آمدنی کی جائیداد اسکے مصارف کے لیئے وقف کر دی۔ اس مدرسہ مین چھ ہزار طالب علم غذائے علمی کی پرورش پاتے تھے جن مین ملک کے بڑے سے بڑے امیر کے فرزند سے لیکر ایک معمولی دستکار اور غریب شخص کے بچہ تک ہر طبقہ کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ ہان فرق اس قدر تھا کہ دولتمندون کے بیٹے اپنے باپ اور مربیون کے مصارف سے علم حاصل کرتے اور غریب طالب علمون کو مدرسہ کی آمدنی وقف سے امداد ملتی تھی۔ اور استادون کو بھی بہت بڑی تنخواہین ملتی تھین جو ان کے حسب حال ہوتین" الخ

ایک زمانہ مین اسلامی ممالک تین حصون پر تقسیم ہو گئے تھے اور خلافت کا منصب تین فرقون اور گروہون کے مابین متنازعہ فیہ امر بنگیا تھا۔ مشرق (ایشیا) مین عباسی خاندان۔ مغرب (یورپ) کی سرزمین اندلس مین اموی گھرانا۔ اور وسط افریقہ کے ملک مصر مین فاطمی کنبہ۔ تینون بطور خود مدعی خلافت تھے اور انکی باہمی چشمک و رقابت کچھ محض پولیٹکل اقتدار اور ملکی مقبوضات کی وسعت ہی پر منحصر نہین تھی بلکہ علم و ادب کی ترقی اور صنعت و حرفت کی سرپرستی مین بھی انکی باہمی سخت لاگ ڈانٹ دنیا کو مزہ دے رہی تھی۔ اگر مشرقی دنیا مین سمرقند کا رصدخانہ اس بات کا دعوے کرتا تھا کہ مشرقی لوگ علوم ریاضیات فلک کے سب سے بڑے ماہر اور اس فن کے اصلی سرپرست

ہین تو مغرب مین سرزمین اُندلس کے شہر "جبرالڈ" کی رصدگاہ اُسکے مقابلہ پر زبان حال سے یہ کہتی تھی کہ اہل مغرب بھی مشرقی لوگون سے کم دماغی قابلیت نہین رکھتے۔

بلاد اسلامیہ کے تمام مدارس نے مدارس طبیہ کے نظام امتحان کا تجربہ قاہرہ کے ایک طبی مدرسے اُتارا تھا جو نہایت شدید اور دقیق نظام امتحان مانا گیا ہے۔ کوئی طبیب جبتک اُس سخت اور مشکل امتحان کو پاس کرکے سند کامیابی حاصل نہ کرلیتا اُسکو علاج و مطب کرنے کی ہرگز اجازت نہ ملتی تھی۔ بلاد یوروپ مین اس محکم نظام کے اصول پر جو سب سے پہلا طبی مدرسہ قائم ہوا وہ ملک اٹلی کے شہر "سالرن" مین اہل عرب ہی نے قایم کیا تھا۔ اور اسی طرح یوروپ مین سب سے پہلے رصدگاہ بھی اہل عرب ہی نے مملکت اسپین کے شہر "اشبیلیہ" مین قایم کی تھی۔

مسلمان عالم کائنات کے مختلف علوم و فنون کے بیحد دلدادہ۔ اور ہر طرح کے فنون ادبی کے والہ و شیدا رہے۔ یہان تک کہ اُنہون نے سوسائیٹی اور معاشرت کے متعلق خیالی قصص اور داستان سرائی کو بھی پایہ کمال پر پہنچا دیا جن کے مطالعہ سے اُن کی واقفیت حالات اجتماعیہ کا رتبہ واضح ہوتا ہے۔ اُنہون نے ابتدا مین یونانی اور سُریانی زبانون سے علوم کا اکتساب شروع کیا۔ پہلے پہل اُن کے ترجمہ کرنے والے مسیحی اور صابی وغیرہ مذاہب کے لوگ تھے جن کے ذریعہ سے اُنہون نے یونانی اور سُریانی زبانون کی کتابون کا صحیح ترجمہ عربی زبان مین کرایا پھر بہت سے مسلمان علما نے بھی یونانی اور لاطینی زبان سیکھ لی اور دونون زبانون مین نقل مرتب کیئے تاکہ اس طرح وہ براہ راست تمام علوم کو اُن کے اصلی سرچشمہ سے حاصل کرسکین اور اپنے علم و ادراک کی رسائی کے مطابق اُنہین اپنی زبان مین منتقل کرین۔ ایسے ہی شروع شروع مین مسلمان امرا اور فرمانروا دن کے بچون کو مسیحی اور یہودی مذہب کے علما تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے جسکے بعد اعلے مدارس قائم ہونے پر اُن مین ہر ملت و مذہب کے مدرسین کا تقرر کیا گیا اور ہر ایک مدرس صرف اُسی علم کی تعلیم دیتا تھا جس مین وہ خاص طور سے سرآمد روزگار مانا جاتا تھا۔ +

اہل عرب کے علوم اور اُن کے اکتشافات

اہل عرب کا علم پہلے پہل یونانی علم تھا مگر یہ حالت ایک صدی سے زائد نہیں قائم رہی جسکے بعد اُن کا علم خالص عربی علم ہوگیا۔ اور ایک عربی عالم نے اس عار کو برداشت کرنا نہ چاہا کہ وہ عرصۂ دراز تک محض ارسطو۔ افلاطون۔ اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کا شاگرد ہی بنا رہے اور اپنی طباعی و جدت سے کوئی کام نہ لے۔ حالانکہ یورپین عالم تاریخ مسیحی کی کامل دس صدیوں تک اسی جامد شاگردی اور کورانہ تقلید کے چکر میں پھنسا رہا ہے۔

علمائے یورپ میں جن لوگوں نے علوم عصریہ کا مدار اور ان کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ کو قرار دیکر اُسکو اساتذہ کی روایت اور آرائے مصنفین کا قائم مقام مانا ہے اور علم کو تقلید کی قید غلامی سے آزاد کیا ہے ان میں "لارڈ بیکن" سب سے ممتاز مانا جاتا ہے۔ یورپ میں اس بات کا بڑا فخر کیا جاتا ہے اور اسکو قدامت پرستی سے جنگ کرنے کے ہم پلہ مانا جاتا ہے لیکن اہل عرب نے دوسری صدی ہجری ہی کے آخری حصہ میں علم کی بنیاد اس قاعدہ پر رکھدی تھی۔ سب سے پہلی چیز جو فلاسفہ عرب کو دیگر اقوام کے علما اور حکما سے امتیازی حیثیت بخشتی ہے وہ یہی ہے کہ (مسلمان) حکمائے عرب نے اپنے علوم و معارف کی بنیاد مشاہدات اور تجربیات پر رکھی تھی۔ اور انہوں نے اپنا اصول بنالیا تھا کہ جبتک تجربہ بھی علم کی تائید نہ کرے اُس وقت تک محض عقلی مقدمات پر کبھی اکتفا نہ کرینگے۔ "ڈاکٹر گستاولی بان" ایک یورپین فلاسفر کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ "اہل عرب کے نزدیک علم کا قاعدہ ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ اور غور سے کام لو۔ بیشک تم باخبر اور دانشمند بنجاؤ گے۔ اور اہل یورپ کے نزدیک دسویں صدی عیسوی کے مابعد تک یہ قاعدہ رہا کہ کتابوں کو پڑھو اور جو کچھ اگلے اساتذہ کہہ گئے ہیں اُسی کو رٹے جاؤ۔ بس تم عالم کہلاؤ گے"

(اس موقع پر ہم عام اہل اسلام کو مخاطب کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صاحبو ذرا اپنے حالات پر غور تو کرو۔ کہ تم کیا تھے اور آج کیا ہو گئے۔ افسوس۔ (خواجہ حالی) ؎

کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم ✦ ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم۔ (مترجم)

فاضل مؤرخ "ڈیلامبر" علم ہیات کی تاریخ لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے: "علم کیمیا مین یونانیون کے یہان ایک بھی مجرب اصول نظر نہین آسکتا لیکن اہل عرب کے کیمیائی تحقیقات کا ذخیرہ اٹھاکر دیکھو تو دو سو مجرب قاعدے موجود نظر آئین گے۔ اسی لئے حقیقی کیمیا صرف اہل عرب کی ایجاد و اکتشاف مانی جاسکتی ہے نہ کسی اور قوم کی اور اہل عرب ہندسہ اور فنون ریاضی کو ایسے آلات منطقی مانتے تھے جو قضایائے نظریہ پر دلیل قایم کرنے مین استعمال ہوسکین اور بات بھی یہی ہے کہ کسی نامعلوم امر تک عقل و فکر کی رسائی ہونے کے واسطے سب سے سچی اور پکی دلیل یہی علوم ریاضی ہین جسکو تمام دنیا مانتی ہے۔ اور جو مشہور عام امر ہے۔

عرب ہی سب سے پہلے لوگ ہین جنہون نے اوقات کے اہم حصے معلوم کرنیکے لئے گھڑیون کا استعمال کیا اور اس غرض سے دھوپ گھڑی ایجاد کی۔ جامد اور سیال اجسام کا ثقل معلوم کرنے کے لئے قاعدے وضع کئے اور بہت باریکی اور صحت کے ساتھہ اسکی جدولین بنائین۔ فلکی رصدگاہون کی بھی جدولین وضع کین۔ اور یہ جدولین عام طور پر مشہور تھین دیکھنے والے انکو بلارک ٹوک سمرقند۔ بغداد اور قرطبہ کے رصدخانون مین جاکر دیکھہ آتے تھے۔ یہان تک کہ اہل عرب نے ان قوانین کو ایسا درجہ کمال پر پہنچادیا تھا کہ گویا قریب قریب انہون نے قوت کشش کا پتا لگالیا تھا اور برقی طاقت کے کام مین لانے کا راز حل نہین کیا تھا تو اسکے حل کرنے کی عمارت کا سنگ بنیاد ضرور نصب کرگئے تھے۔

غرضکہ یہ ناممکن ہے کہ مین اپنے اس مختصر مضمون مین اہل عرب کے تمام اکتشافات کا شمار دے سکون اور یہ بتاسکون کہ دنیا کے مختلف علوم و فنون مین انہون نے کیا کیا اضافہ کیا۔ کیونکہ اسکی تفصیل کے لئے کئی بڑی بڑی مجلد کتابین بھی کافی نہ ہونگی۔ چہ جائیکہ اس رسالہ مین انکی سمائی ہوسکے۔ علاوہ اسکے یورپ کے اکثر صاحب انصاف فلاسفہ اور مورخین نے ان تمام باتون کا شمار اپنی تصنیفات مین دیدیا ہے اور ممکن ہے کہ عربی قوم کے افراد بھی کسی وقت مین اتنی توفیق پائین کہ ان باتون کو اپنی زبان مین نقل کرکے اپنے اہل ملک اور ہمنوا زبان

و مذہب کے روبرو پیش کر سکین تاکہ عام مسلمانون کو اپنے اسلاف کرام کی حالات سے آگاہی حاصل ہو لیکن مین اس مقام پر ایک زبردست یوروپین حکیم کا قول ضرور نقل کرون گا جسکا نام "پروفیسر ڈراپر" (امریکن) ہے وہ لکھتا ہے :- "اگر اتفاقاً اہل عرب کی تصنیف کردہ کتابین دیکھتے ہوئے ہماری نگاہ کسی ایسی رائے پر جا پڑے جسے ہم موجودہ زمانہ کی قابل قدر معلومات خیال کرتے ہین تو ہمین بالکل متحیر و مرعوب نہ ہونا چاہیئے مثلاً پروفیسر ڈارون کی رائے کائنات عضویہ کی بابت بالکل جدید خیال مانی جاتی ہے کیونکہ یوروپ مین اس خیال کا بانی مبانی یہی علامہ ہے جس نے دنیا کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ذی روح اور اعضاء رکھنے والی مخلوقات اپنے نوعی کمالات مین بتدریج ترقی کرتی ہے۔ مگر یہ ایک ایسی رائے ہے جسکو اہل عرب کسی زمانہ مین اپنے مدارس مین تعلیم پانے والے طلبہ کو بخوبی سکھا چکے ہین۔ بلکہ وہ ہم سے بھی بڑھکر دور کی کوڑی لا چکے ہین۔ کیونکہ اُن کے ہان ایک ایسا عام اصول مقرر ہو چکا تھا جو کائنات غیر عضویہ اور معادن تک پر حاوی تہا اور اُسی اصل پر اُنہون نے کیمیا کی بنیاد رکھی تہی جو معدنیات کے اپنی شکل مین ترقی کر جانے کا نام ہے۔ علامہ خازنی لکھتا ہے :- "جس وقت جاہل لوگ سُنتے ہین کہ علما کے خیال مین سونا پہلے کئی شکلین بدلنے کے بعد سونا بنتا ہے تو اُنہین یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ ابتداءً دوسرے معادن کی صورت مین تھا۔ اور آخری مرتبہ سونے کی شکل مین آیا ہے یعنی پہلے سیسہ تھا۔ پھر رانگ ہوا۔ زان بعد پیتل۔ بعدہٗ چاندی اور سب سے آخر مین سونا بنگیا۔ مگر اُن لوگون کی سمجھہ مین یہ نہین آتا کہ حکما جب ایسی بات کہتے ہین تو اس سے اُن کی وہی مراد ہوتی ہے جو وہ انسان کے بارہ مین یہی کہتے ہین کہ انسان اپنی موجودہ حالت پر بتدریج اور رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہوا پہونچا ہے حالانکہ علما اور اہل حکمت کی اس سے یہ مراد نہین کہ انسان نے مختلف الانواع کی شکلون مین کایا پلٹ ہونیکے بعد جامہ انسانیت پایا ہے مثلاً وہ پہلے بیل تہا۔ پہر گدھے کی جون مین آیا۔ زان بعد گھوڑا بنا۔ اور پہر بندر ہوا۔ اور سب سے آخر مین انسان کے قالب مین آگیا۔" الخ

اور علامہ گستا ولی بان لکھتا ہے "اہل عرب وہ پہلے اُستاد ہین جنہون نے دنیا کو یہ بات سکھائی کہ دین پر مضبوطی کے ساتھہ قایم رہنے کے باوجود انسان مین آزاد خیالی بھی کیونکر جمع ہوسکتی ہے"

اس مقام پر مجھے بعض فلاسفہ یورپ کے اُس قول کی تردید بھی ضروری معلوم ہوتی ہے جو اُنہون نے علامہ "ابن رشد" اُندلسی کے متعلق کہا ہے کہ وہ آزادی رائے کے پیچھے دین کی اصل کو توڑ ڈالنے سے بھی نہین جھجھکا یعنی اُس نے یہ کہا کہ انسانی روح بھی اُسکے جسم کے فنا ہوجانے کے بعد باقی نہین رہتی اور جو روحین باقی رہنے والی ہین وہ انواع کی روحین ہین یورپ مین فلاسفرون نے یہ بالکل غلط بیانی کی ہے یا حسن ظن سے کام لیکر کہون تو یون کہہ سکتا ہون کہ اُن کو ابن رُشد کا قول سمجھنے مین غلط فہمی واقع ہوئی کیونکہ ابن رشد نے جو کچھہ کہا ہے وہ اس بارہ مین حرف بحرف ارسطو وغیرہ حکمائے یونان کے اقوال سے ملتا جلتا ہے۔ ابن رُشد صرف یہ کہتا ہے کہ اشخاص فنا ہوجاتے ہین اور نوعین باقی رہتی ہین۔ بجنسہ ارسطو وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ "اشخاص عالم وجود مین آتے اور پھر فنا ہوجاتے ہین۔ مگر نوعین ہر حالت مین باقی رہنے والی چیز ہین جو کبھی زایل نہین ہوتین" پس اب معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ بات ہی کچھہ اور ہے اور اسکو اُس نتیجہ سے ذرا بھی تعلق نہین جو علمائے یورپ نے ابن رشد کے قول سے نکالا ہے۔ اور اسی طرح اُن یورپ مین علما نے ابن رشد کے ایک اور قول مین بھی غلطی کھائی اور لکھا ہے کہ اُسکے اعتقاد مین خداوند کریم تمام دنیا کی روح ہے۔ اور اُسکا ظہور عالم کی صورتون مین ہوا کرتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزین اُسی کی جانب راجع ہوتی ہین یعنی اُسی کی ذات مین فنا ہوجاتی ہین۔ اور خدا کے سوا دنیا مین کوئی باقی رہنے والا نہین" دیکھو یہ بات بھی اُن اہل یورپ کے اگلے قول سے ملتی جلتی ہے۔ ہم کہتے ہین۔ ابن رشد مسلمان تھا اور بخوبی جانتا تھا کہ اسلام علم کا منافی نہین۔ مگر ہان وہ منافی ہے تو اس طرح کے وہم کا جس مین کوئی سمجھدار شخص مبتلا ہی نہین ہوسکتا اور مبتلا ہو تو یہ ایک طرح کی ٹھوکر ہے جو علم کے راستہ پر چلنے والون کو لگ جاتی ہے اور وہ اُس کے صدمہ سے سنبھل نہ سکے تو گر کر راستہ سے ہٹ جاتے اور توہم پرست بنجاتے ہین

اور بہت سے اس طرح کے لوگ جنپر ایسی بے اصول رائے کا نشہ چڑہا۔ آخر کار اس سے ہوش مین بہی آ گئے۔ مگر بعض ایسے بہی تہے جنکی غفلت دور نہین ہوئی اور وہ اُسی مستی کی حالت مین فنا ہو گئے لیکن ابن رشد کی کتابین ہمارے سامنے موجود ہین اور انکا مطالعہ ہمکو بتاتا ہے کہ اُسکی جانب ایسی رائے کو منسوب کرنا بالکل انصاف وقیاس دونون سے دور ہے البتہ اگر ان اُمور کو "ابن سبعین" کی طرف منسوب کیا جائے جو ابن رشد کے بعض شاگردون کا شاگرد تہا تو ہم اسے تسلیم کر سکتے ہین کیونکہ اُسکے کلام مین ایسی باتین پائی جاتی ہین جن سے یہہ استدلال ہو سکے کہ ممکن ہے اُس نے کبہی ایسا بہی خیال ظاہر کیا ہو۔

اور ایک دوسرا فلاسفر لکہتا ہے کہ: "اہل عرب نے یونانیون اور دیگر قومون سے جو علوم حاصل کیئے وہ بالکل مر چکے تہے اور جلد کی دفتیون۔ کتب خانون کی دیوارون یا بعض داغون مین دفن تہے اور اُن کو اس طرح عام مخلوق کی نظرون سے چہپا کر رکہا گیا تہا جیسے کوئی گران مایہ جواہر پوشیدہ رکہا جاتا ہے۔ مگر اہل عرب کے پاس آتے ہی وہی مردہ علوم آداب کی زندگی۔ روحون کی غذا۔ ثروت ودولت کی قوت۔ اور صنعت وحرفت کے ذرائع بن گئے اور اُنہون نے قوائے بشری کو ایڑ بنا کر اُسے اپنے کمال کی شاہراہ پر ڈالدیا۔ تاکہ جو مرتبہ فطرت نے اُسکے واسطے ودیعت رکہا ہے وہ اُسے حاصل ہو سکے۔ اہل یورپ مین کوئی ایسا شخص نہین مل سکتا جس نے تاریخ کا مطالعہ کرنیکے ساتہہ عقل سلیم کو حکم بنا کر اُس سے اہل عرب کی علمی ترقیون کا فیصلہ کیا ہو اور پہر وہ اس بات سے مکر جائے کہ یورپ کو جہل کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی مین لانے۔ اور اُسے نظر وفکر کا طریقہ سکہانے۔ اور اس بات کی تعلیم دینے مین کہ مشاہدہ اور تجربہ ہی دو ایسی اصلین ہین جنپر علم کی بنیاد قائم ہوتی ہے مسلمانون کا اُن علوم وآداب اور اُن کے اُن فنون وصنائع کا کوئی احسان نہین جنہین مسلمان اپنے ساتہہ لیئے ہوئے ملک سپین۔ جنوبی اٹالیا۔ اور فرانس کے ملکون مین اہل یورپ کے لیئے لائے تہے جسوقت عربی علم اور محمدی ادب کا قدم مملکت اٹلی مین آیا ہے اُس وقت اُنکی بڑی خوش قسمتی یہ تہی کہ

پوپ صاحب اٹلی مین موجود نہ تھے بلکہ وہ ملک فرانس مین چلے گئے تھے اور ستر سال کے قریب قریب "افینون" مین رہے۔ اسلئے مسلمانون کا علم و ادب شمالی ایطالیا مین خوب پھیلا اور وہان اُس نے اپنے جھنڈے گاڑ دیئے عربی تمدن کا ثبوت اور اُسکی قدامت اس سے عیان ہوتی ہے کہ پیرس دار السلطنت فرانس کی سڑکین شہر کی سڑکون سے بارھوین صدی عیسوی مین بنائی گئین اور اُنکی وضع ملک سپین کے شہرون کی سڑکون کے نمونہ پر رکھی گئی یعنی اُسی طرح کے سنگی فرش سے وہ بھی مفروش کی گئین"۔

ایک اور صاحب لکھتے ہین: "میری سمجھ مین نہین آتا کہ اسلام نے دو صدیون کی قلیل مدت مین کیونکر اس قدر بہ کثرت علوم فلک کے عالم دنیا مین پیدا کر دیئے جنکا شمار مشکل ہے۔ اور کنیسہ نے یورپ مین بارہ صدیان کامل حکومت کر کے ایک بھی علم فلک کا عالم نہین پیدا کیا؟"

اہل عرب کے عہد مین یہ علمی نشو و نما کسی ایک فرقہ یا طبقہ کے لئے خاص نہ تھا۔ بلکہ تمام لوگ عام طور پر انوار علوم سے مستفید ہو سکتے تھے۔ ہان ایک دوسرے پر فوق حاصل کرنا اپنے اپنے جد و جہد پر موقوف تھا۔ اور اس معاملہ مین سب سے بڑی آسانی اور قابل شکر گزاری برتاؤ خلفاء اور اُن کے ماتحت حکام کے علم و کرم کی طرف سے ہوتا تھا اور اسکے ساتھ ہی مذہب اسلام کی کشادہ دلی اور اُسکا خاص مسلمانون اور اپنے زیر اثر غیر مذہب رعایا دونون سے نرمی برتنا نور علیٰ نور تھا۔ کسی یورپین فلاسفر نے ایک ایسی بات کہی ہے جو فی الواقع حق اور مشاہدہ سے ثابت ہے۔ وہ لکھتا ہے "دنیا کی قومون نے اس درجہ کا تحمل مزاج اور بردبار فاتح کبھی نہین دیکھا (مختلف مسلمان فاتحین مراد ہین) اور نہ اُنہون نے کوئی دین ہی ایسا دیکھا ہے جو اپنی نرم مزاجی اور پاکیزگی مین اس حد تک ترقی یافتہ ہو جیسا کہ دین اسلام ہے" وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ اَعْدَاءُ۔ (اور فضیلت وہ ہے جسے دشمن بھی مان گئے ہون)

خلفا اور امرا کا علم اور علما کی دستگیری کرنا۔

جن خلفا کو ایک ساتھ دینی اور دنیاوی حاکم کہا جاتا ہے اور اس امر کو اُن کے علم کے ساتھ سختی کرنیکا موجب قرار دیا گیا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہی خلفا بذات خاص علوم عقلیہ کے متعلم اور اُسکی تعلیم کے داعی نظر آتے ہین۔ وہ عالم بھی تھے اور پھر اُس علم پر عمل بھی کرتے تھے۔ "مامون" سا جلالتمآب خلیفہ بعض اوقات فلسفہ کے ساتھ دشمنی رکھنے والے دیندار مسلمانون پر سخت سے سخت ظلم و جور کر گذرا ہے اور تاریخ بہت سے ایسے مشہور لوگون کے نام پیش کرتی ہے جو فلسفہ کو مفسد مذہب گمان کر کے اُسکے ساتھ عداوت رکھنے کے جرم مین مہینون اور برسون خلیفہ "مامون" کے زندان خانہ مین بند رکھے گئے۔ انصاف شرط ہے ذرا خدا لگتی کہنا کہ کیا اسلام کے سوا کسی اَور مذہب کے دینی رئیس کو بھی علم اور فلسفہ کے دشمنون پر کبھی ایسی سختیان کرتے دیکھا گیا ہے؟ نہین۔ اور ہرگز نہین۔ یہ شرف محض مسلمانون کو حاصل ہوا اور حاصل رہیگا۔ +

مسلمان خلفا اور امرا کے دربارون مین عام اہل علم و ادب کی عزت و توقیر ہوا کرتی تھی۔ اور خاص خاص علما و حکما کے ساتھ اُن کے مناسب حال برتاؤ کیا جاتا تھا۔ مین مثال کے طور پر ایک عالم "شیخ ابی العلاء المعری" کا نام پیش کرتا ہون جو الحاد اور لامذہبی کے ملزم ٹھہرائے گئے تھے۔ علی بن یوسف القفطی لکھتا ہے کہ "صالح بن مرداس حاکم حلب "معرۃ" پر حملہ آور ہوا کیونکہ اس شہر کے باشندون نے اس سے بغاوت کی تھی۔ صالح بن مرداس نے شہر "معرۃ" کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقین نصب کر کے اُسپر پتھر اور آگ برسانی شروع کی۔ اہل شہر نے دیکھا کہ اب وہ مغلوب ہی ہو جائینگے تو دوڑے ہوئے ابی العلاء بن سلیمان کے پاس گئے اور اُس سے درخواست کی کہ وہ شہر سے باہر جا کر امیر صالح کی خدمت مین اہل معرۃ کی سفارش کرے اور اُنکی عفو تقصیر چاہے۔ ابو العلاء شہر سے نکلکر امیر صالح

کے کیمپ مین گیا - اور امیر مذکور نے بڑی عزت اور خاطرداری سے اسکو اپنے پاس بٹھا کر دریافت کیا: - کیون کیا آپ کو کچھہ کہنا ہے؟ ابی العلاء نے کہا: -

الامیر اطال اللہ بقاءہ کالسیف القاطع لان مسہ وخشن حدہ وکالنہار البالغ قاظ وسطہ وطاب بردہ - خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ "	خدا امیر کی عمر دراز کرے - آپ تیغ تیز کیطرح ہین جو چھونے مین چکنی اور نرم ہے مگر اُسکی دھار بہت سخت ہے - اور آپ مثل بڑے دنون کے ہین جنکا درمیانی حصہ سخت گرم اور اُسکی صبح کی خنکی پسند ہے - معافی کے قانون پر عمل کیجئے اور احسان کے

ساتھہ حکومت کیجئے اور نادانون کی خطا سے چشم پوشی فرمائیے " +

امیر صالح نے جواب دیا - اچھا مین نے تمہاری خاطر سے اُن لوگون کو معافی دیدی - پھر کہا - اپنے کچھہ اشعار تو سنائیے تاکہ مین اُنکو یادگار کی طرح دوسرون کے سامنے پڑھون - چنانچہ ابو العلاء نے فی البدیہہ چند شعر امیر صالح کی شان مین پڑھے اور امیر صالح محاصرہ توڑ کر اپنے مقام کو واپس چلا گیا " دیکھو ایک ایسے فیلسوف کی خاطر جو عام طور پر لامذہب مشہور تھا - اس مسلمان امیر نے باغی اہل شہر کی خطا کس طرح معاف کردی - اور اگر مین وہ تمام حالات بیان کرون جو خلفاء اور امرا کے اہل علم وکمال سے سلوک ہونے سے متعلق تاریخی کتابون مین بھرے پڑے ہین تو وہ اس مختصر رسالہ مین سما ہی نہ سکین اسلئے مشالاً دو ایک امور لکھنے ہی پر اکتفا کرتا ہون " اگر در خانہ کس است حرفے بس است "

دو شبہون کا ازالہ اور سخت گیری کی حقیقت کا بیان

کچھہ لوگ اس وہم مین گرفتار ہوگئے ہین کہ علم اور اہل علم کے ساتھہ بدسلوکی کا ظہور عام مخلوق کی ناراضی اور اُن کے علماء اور آزادخیال لوگون پر غلط الزامات لگانے کی صورت مین ہوا کرتا ہے - بعض دفعہ یا دہسان خلقت ایسے علماء اور روشن خیال اشخاص پر طرح طرح کی

افترا بندیاں کرتی ہے۔ اُن کو حقارت کے الفاظ سے یاد کرتی ہے۔ اور ہر طرح پر اُنہیں بُرا سمجھتی ہے۔ اور مسلمانوں مین بے شبہ ایسی حالت پائی گئی اور پائی جاتی ہے۔ مگر یہ ایک کھلی ہوئی غلطی ہے کیونکہ اہل علم کے ساتھ اس طرح کی نفرت او ناراضی ایک ایسی بات ہے جس سے دنیا کا کوئی حصہ اور کوئی ملک خالی نہ ملیگا چاہے وہان کے رہنے والے کتنے ہی آزاد خیال اور شائقِ علم کیون نہ ہون لیکن یہ بات اون مین ضرور پائی جائیگی۔ آج یورپ کو قدردانی علم و کمال کا مخزن تسلیم کیا جاتا ہے لیکن وہان کے سب سے بڑے ہوئے علمی مذاق و تہذیب کا حصہ رکھنے والے ملک فرانس مین کیتھلک چرچ کے پیرو اُن علما اور فیلسوفون پر منہ آتے رہتے ہین جو کینسہ کی عداوت کا اظہار کرین۔ اور اُسکے قواعد کی اہانت کرنے والے مضامین لکھین ایسے لوگون پر روم مین کیتھلک جماعتین اس طرح کے غلط الزامات لگاتی ہین جن کے وہ کبھی مستوجب نہین ہوسکتے غلط بیانی کی راہ سے کچھ خلاف اصول اور لغو کلام اُنکی جانب منسوب کر دیتے اور کہتے ہین کہ اُن اہل علم کی مصنفہ اور مولفہ کتابون کو دیکھنا مذہب مین ناجائز ہے۔ ہم اس بارہ مین کوئی شبہ اور انکار نہین کرتے کہ جن دنون مسلمانون کے یہان علم و فلسفہ کی گرم بازاری تھی تو اُن مین بھی اس قسم کی باتین پائی جاتی تھین لیکن یہ کہنا کہ اسکا نام علم و فضل پر ظلم و ستم کرنا ہے ہرگز درست نہین ہوسکتا۔ البتہ یہہ ایک فطری امر ہے کہ انسان جس چیز کو خود نہین جانتا اُس سے ضرور نفرت کریگا جس کے ساتھ ہی وہ شخص جو اُس چیز کو جانتا یا کہتا ہے اُسے خود اُسکی حالت پر چھوڑ دیگا تاکہ جو اُسکے دل مین آئے وہ کرتا رہے۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ: تاریخ ہمارے سامنے اس بات کی سندین پیش کرتی ہے کہ بعض آزاد خیال لوگون کو اپنی ذہن مین پکے ہونیکی وجہ سے تلوار کے گھاٹ اُتار گیا اور اُنکو ہرگز ایسی آزادی نہین دی گئی جس سے وہ اپنے خیالات اور دماغی ترقی کو حد کمال پر پہونچا سکین خلیفہ منصور عباسی یا اور مسلمان خلفاء اور حکام نے لا مذہب

لوگون کے ساتھہ جو کچھہ سلوک کیا اُس سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

ہم کہتے ہین :- بہت سی آزادخیالی کی زیادتیان ایسی ہی ہوتی ہین کہ جب وہ عام لوگون مین پھیل جائین تو اون کی نظام کو درہم و برہم کر دیتی اور امن عام مین خلل ڈالتی ہین - جیسے کہ "حلاج"[ع] وغیرہ کے خیالات تھے - اُس وقت حکومت کو مجبور ہو کر معاملہ مین ہاتھہ ڈالنا پڑتا ہے تاکہ دنیا کے امن و امان مین خلل نہ پڑے اور اُس خیال کا موجد سیاست کے شکنجہ مین کس دیا جاتا ہے لیکن نہ اِس وجہ سے کہ اُس نے ایسا خیال کیون ظاہر کیا؟ بلکہ اس لئے کہ وہ دوسرون کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا ہے جس کی اُس دوسرے آدمی کو کچھہ بھی حاجت نہین ہوتی - لہٰذا اگر اُس آزادخیالی کے مدعی کو اپنے جوش و خروش مین ترقی کرنے کا موقع دیا جائے تو غالبًا اس سے سخت ہنگامہ و فساد برپا ہونیکا ڈر رہتا ہے - ایسی حالت مین نظام عالم اور امن و امان کے محافظون کا فرض ہے - کہ نظام تمدن اور مجتمع انسانی کو تباہی و بربادی سے بچانے کی تدبیر کرین اور امن عام کی بنیاد نہ ہلنے دین - اور آج ہم اپنی آنکھون سے یہ بات دیکھہ رہے ہین کہ فلاسفہ اور اہل علم لوگ خاص مذہب کے ساتھہ اس طرح کی بدسلوکی اور سختی کرتے ہین - کیا فرانس کی حکومت نے مذہبی پادریون اور نن عورتون کی مجلسون اور مدرسون کو بالکل گورنمنٹ کی ماتحتی مین نہین لے لیا ہے؟ اور کیا اُس نے یہ عام حکم نہین دیدیا ہے کہ کوئی مذہبی انجمن یا مدرسہ بلا اجازت حکومت کے ہرگز قایم نہ ہو؟ اور جو اس قانون کو نہ مانیگا اُسکی انجمن کو توڑ دینے اور مدرسہ کو بند کر دینے مین فوجی قوت سے کام لیا جائیگا - اور اُن معاملات مین جو شخص سرغنہ ہوگا اُسے جلاوطنی کی سزا دیجائے گی چنانچہ اب تک بہت سے لوگ اسی جرم مین جلاوطن کیئے بھی جاچکے ہین! مگر کیا اسکو کوئی شخص ظلم و جور کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہین ہان سخت گیری اور ایسی سخت گیری جسے پرلے درجہ کا ظلم و ستم کہنا زیبا بلکہ واجب ہے وہ سختی تھی جو محکمہ تفتیش نے اور اوسکے بعد دوراول اصلاح کے سرغناؤن نے اپنے اپنے

[ع] [illegible] نے اپنی کتاب "مسائل [illegible] اصول الدین" مین لکھا ہے کہ "حلاج" آزادخیالی کے [illegible] کا [illegible] تھا - ان دنون کے [illegible] ایک خفیہ معاہدہ موجودہ حکومت کو [illegible] کے متعلق ہوگیا تھا اور حلاج کو قتل کا [illegible] سبب [illegible]

دقتوں مین کی -

کہنے والے اسے کیا کہین گے؟ وہ یہ کہین گے کہ مسلمانون کے یہان تعلیم کا ڈہنگ عجیب وغریب تہا اور اُس کے اسرار تقریبًا مخفی رکہے جاتے تہے۔ کیونکہ کسی مسجد یا مسجد کے تابع مدرسہ مین فقیہہ۔ متکلم۔ محدث۔ نحوی۔ ادیب۔ فیلسوف اور فلکی اور علم ہندسہ وغیرہ کے تمام اساتذہ ایک ہی جگہہ ملکر بیٹہتے تہے! ابہی ایک طالب علم جو فقیہہ کے پاس سبق لے رہا تہا وہان سے سبق ختم کرنیکے بعد اُٹہتا اور فیلسوف کی مجلس مین جا بیٹہتا۔ اور حدیث کے درس سے اُٹہکر ادب کے سبق مین شریک ہوگیا۔ پہر جس وقت اُن کے آپس مین کسی علمی مسئلہ پر گفتگو ہوجاتی تہی تو معقول بنانے۔ الزامی جواب دینے اور تحقیقی دلایل پیش کرنے مین ہر شخص پوری پوری آزادی رکہتا تہا۔ اور اسکا بالکل خیال تک نہ کیا جاتا تہا کہ تعبیر مطالب مین مذہبی اصول کا جوش بہی لازمی امر ہے بلکہ بحث کا تمام دارمدار عقلی دلایل پر ہوتا تہا۔ عمر بن عبید فرقہ معتزلہ کا افسر اور اپنے عقیدہ مین نہایت غالی تہا لیکن باوجود اس کے وہ امام بخاریؒ کے مشایخ مین ہے۔ کون امام بخاریؒ جنکی صحیح تصنیف فن حدیث کی سب سے اعلےٰ اور اصح کتاب اور کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب مانی جاتی ہے خلیفہ منصور عباسی عمر ابن عبید کی اس قدر قدر ومنزلت کیا کرتا کہ اُسکے دربار مین کسی عالم یا عہدہ دار کو ویسا مرتبہ حاصل نہ تہا یہان تک کہ ایک دن جس وقت عمر بن عبید خلیفہ کے دربار سے اُٹہکر جارہا تہا تو خلیفہ منصور نے اُس سے کہا ؎ رمیت لکل الناس حبًا فلقطوا الا ابالک

یا عمرو بن عبید ؎

دیکہو کیونکر ایک امام حدیث کی سند روایت فرقہ معتزلہ کے ایسے نامی سرغنہ تک جا پہونچتی ہے اور یہ بات ذرا بہی نفرت یا عیب کی نظر سے نہین دیکہی جاتی۔

اگر کوئی شخص بعض ایسے علماء کے نام گنانے بیٹہ جائے جنپر عہد اسلام مین سختی کی گئی اور فقیہہ لوگون یا دین مین غلو رکہنے والے اشخاص کے اغواء سے بادشاہون نے

جوش حماقت مین بھرکر اُن کو قتل کرادیا۔ تو پہلے اُس شخص کو اُن مقتول علماء اور حکماء کی حالت پر نظر کرنا چاہئے تاکہ اسے پہلی ہی نظر مین معلوم ہوجائے کہ فقہاء اور کٹے ملانون کو اُن کی طرف سے جو عداوت پیدا ہوئی وہ کچھ دینی تعصب ہی کے باعث یا حمیت مذہبی ہی کی غرض سے نہ تھی بلکہ اس خواہش مضرر رسانی کا محرک اُنکا حسد تھا اور دین اُنکی کار برآری کا آلہ یا ایک آڑ تھی۔ اسی لئے جہان کوئی ایسی مثال نظر آئیگی تو یا وہ مقتول و مظلوم عالم کوئی قاضی القضاۃ ہوگا (جیسے قاضی ابن رشد پر الحاد کی تہمت لگائی گئی اور پھر خلیفہ حاکم نے اونکو معافی دیکر اُن کے عہدہ پر بحال کیا جو ہمارے قول کے صداقت کی دلیل ہے) یا کسی خلیفہ و سلطان کا وزیر و ہمنشین اور مصاحب یا عام لوگون مین بہت بڑا اقتدار رکھنے والا۔ اور ایسی صورتین جس طرح فقیہون کیطرف سے فلاسفہ اور حکما کو ایذا پہونچانے کے لئے ظہور مین آئین خود اُنہی فقہاء کے مابین بھی اسکی نظیرین ملجائینگی کہ اونہون نے کیونکر ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے اور ہلاک کرنیکی کوششین کین۔ اور یہ ہماری عقلی دلیلین نہین ہین بلکہ تاریخ اس بات کے صریحی ثبوت پیش کرتی ہے لہذا اسے دین کا فلسفہ پر سختی کرنا نہین کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ اکثر رنگے ہوئے سیال جو فی الواقع مذہب سے کوئی تعلق نہین رکھتے اور بظاہر علم و صلاح کے لباس مین جلوہ گر ہوتے ہین باہمی رشک و عناد اور ایک دوسرے کو شکست و نقصان دینے کی کوششین اُن کا شیوہ ہوتی ہین۔ پان جس امر کی بابت یہ کہا جاسکے کہ وہ فی الواقع ایسی سختی ہے جسے مذہب کی فلسفہ کے ساتھ دشمنی کہہ سکین وہ یہ ہے کہ محض اختلاف عقیدہ یا علم و عمل کے کسی حصہ مین مخالفت دین کا گمان (اسلئے کہ دین کی تنگ دلی مخالف کو اپنے پہلو مین جگہ نہین دیسکتی) اُس سختی کا موجب ہوئی ہو۔ اور اسلام مین ہرگز ایسی کوئی صورت واقع نہین ہوئی۔ لیکن اگر کوئی واقعہ گزرا ہو جو اس وقت ہمارے ذہن مین نہین اور یار لوگون نے اِس سے غلط نتائج نکال کر بالاہی بالا ایک بات گھڑلی ہو تو یہ اور بات ہے۔

دین اسلام کی طبیعت یہ تھی جو مین نے اوپر بیان کی اور اس کے تمام عناصر وامزجہ کی تشریح کردی پھر مشرقی و مغربی دنیا کے حصون مین اس طبیعت کا جو اثر پڑا تھا وہ بھی دکھا دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کا سایہ احسان نہایت وسیع ہے اور اسکی قوت تحمل مخالفین کو اپنے پہلو مین جگہہ دیتی رہی اور اب بھی دیسکتی ہے۔ اُسکا سایہ مرحمت آج بھی مخالفین کو دعوت دیتا ہے کہ اگر تم میرے سایہ مین آنا پسند کرتے ہو تو سر آنکھون پر آؤ اور آرام پاؤ۔ کیا کوئی شخص ان باتون کو نہین جانتا؟ البتہ خفاش سیرت لوگ شمس اسلام کی روشنی کو نہین دیکھہ سکتے۔ لیکن انکی نسبت ہم بجز اسکے اور کیا کہہ سکتے ہین؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
راست گویم ہزار چشم چنان کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

آج اسلام کی کیا حالت ہے؟

یا مسلمانون کے افعال و اعمال سے اسلام پر حجت قایم کرنیکی تردید

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہہ اٹھے کہ:- اچھا ہم تسلیم کیے لیتے ہین کہ اسلام کی طبیعت علم کے ساتھ حقیقی معنون مین سختی اور مزاحمت کرنے سے باز رہتی ہے۔ اور یہ کہ اگلے زمانہ یا دور اول کے مسلمانون نے علوم کائنات کے عالمون اور عقول بشری کو راہ راست پر لگانے والون کے ساتھ کوئی برا سلوک نہین کیا۔ نہ انکو ایذائین پہنچائین۔ نہ زندہ آگ مین جلایا۔ اور نہ پھانسیون پر لٹکایا۔ مگر اسکو کیا کہہ سکتے ہین۔ کہ آج تمام مسلمان علما علوم عقلیہ کے جانی دشمن اور علوم جدیدہ کے تشنۂ خون پائے جاتے ہین۔ اور کیا تمام مسلمان اپنے انہی عالمون کے پیرو نہین ہین؟ پس اگر کوئی شخص اپنے گرد و پیش کے ایسے حالات دیکھہ اور سنکر یہ رائے قایم کرے کہ اسلام بالطبع علوم عقلیہ سے نفرت رکھتا ہے تو کیا اُسکو معذور نہ گنا جائے گا؟ کیا یہ بات نہین سنی گئی کہ ملک مصر کے علاوہ ایک دوسرے

اسلامی ملک مین کسی شخص نے اجتہاد و تقلید کے بارہ مین ایک مضمون لکہا تہا جسمین اُس نے وہی باتین درج کی تہین جو تمام ائمہ مسلمین کی تسلیم کردہ ہین اور اسی طرح اُس نے فرقہ صوفیہ کے بارہ مین لکہا تہا کہ اس گروہ نے مذہب کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کو مردہ بنا دیا مگر کہنے والے نے یہ بات بہی کچہہ اپنی طرف سے نہین لکہی تہی بلکہ اپنے سے قبل جمہور اہل سنت کے موافق کہا تہا۔ غرضکہ جس وقت اُسکا مضمون چہپکر مصر مین شائع ہوا تو دستار بند علما اسکا گروہ مشائخ طمع پسند کیطرح اُسکی مخالفت پر اُمنڈ نے لگا مضمون نگار کو بے دین اور مفتری بنایا گیا۔ اور والی ملک سے شکایت کرکے اُسے قید مین ڈلوا دیا۔ آخر راقم مضمون بیچارہ نے پایۂ تخت سلطنت مین ایک درخواست بہیجی جس مین لکہا تہا کہ اُسے دربار شاہی مین حاضری کا موقع دیا جائے تاکہ وہ زبانی حاکم عادل کے سامنے اپنے اوپر لگائے ہوئے الزامات کی تردید کرے اور اپنی صداقت ثابت کرسکے۔ وہ درخواست منظور ہوئی مگر عذر و معذرت اور دلیل و حجت سے کوئی کام نہ چلا بلکہ وہان بہی اُس غریب کو قید کی مصیبت ہی بہگتنی پڑی جس کے بعد بڑی دقتوں سے کئی مہینے زندان بلا مین ہکر نجات ملی حالانکہ اُس نے ایک بات بہی اُصول دین کے خلاف نہین کہی تہی اور نہ کوئی فتنہ انگیزی کرنی چاہی تہی۔

اسی طرح شیخ سنوسی مرحوم (موجودہ شیخ سنوسی کے والد) جس وقت مصر مین آئے تہے تو اُن کی ایک تصنیف فقہ مالکی رح کے اصول مین یہان شائع ہوئی۔ شیخ مذکور مذہب مالکی رح کے پابند تہے اور اُنہون نے اپنی کتاب مین اصول فقہ مالکی رح پر چند جدید اصول بڑہانے کے علاوہ ایک جگہہ ایسا خیال بہی ظاہر کیا تہا کہ وہ کتاب و سنت سے بطور خود احکام استنباط کرسکتے ہین اور اس صورت مین کبہی مجتہدین کی رائے سے اختلاف بہی کرلیتے ہین۔ اس بات کا دیکہنا تہا کہ غضب ہوگیا جامع ازہر کے شیخ فقہ مالکی جو وہان بڑے نامی اور سرکردہ علمائ روزگار سے تہے فوراً جوش مین آگئے اور ایک حربہ لیکر چلے کہ شیخ سنوسی پر بشرطیکہ وہ

ملحانے حملہ ہی کر بیٹھتے لیکن خوش قسمتی سے شیخ سنوسی ملک مصر سے چلے گئے تھے اور یہ وجہ ہوئی کہ وہ حربہ کی ضرب کہانے اور اُستاد فقہ مالکی دین کے نام سے ارتکاب جرم کی بدنامی اور مواخذہ مین گرفتار ہونے سے بچ رہے -

یا جس وقت جامع ازہر کے قدیم یعنی دار العلم مین علم جغرافیہ پڑہانے کی تجویز زیر غور تھی اُن دِنون علمائے ازہر کے پُرزور مضامین اسکی مخالفت اور ناپسندیدگی مین نکلتے رہے پھر پچھلے سال اُن کے آپسمین چوٹین چلتی رہین - ایک دوسرے کو بدعقیدہ ولامذہب بنا رہے حالانکہ اُن مین سے کسی نے کوئی قول کتاب وسنت کے خلاف نہین کہا تھا -

مزید برین ہندوستان - افغانستان - اور ایران کے علما کی قدامت پرستی اور تقلید آبائی پر علماؤ کی کیا کم قابل توجہ ادراہے چنانچہ جو شخص بھی اُنکو اپنے کہنہ اور فرسودہ راستہ سی ایک قدم بلکہ ایک انچ ہٹانا چاہتا ہے چاہے وہ تباہی مین پڑنے سے بچانے کی غرض سے ہی بنظر خیر خواہی ایسا کرتا ہو اُن کے خیال مین وہ مرتد و ملحد اور دین مین خرابی ڈالنے والا ہے - اسی طرح مغربی حکومت یعنی مراکش مین تعصب کی اس قدر سختی ہے کہ سگریٹ پینے والون کے اعضا کاٹ دیئے جاتے ہین یا کسی ایسے کلمہ کے کہنے مین جسکو سُننے والے برا سمجھین قتل کر دینے کی سزا دیجاتی ہے اور یہ بہی خیال نہین کیا جاتا کہ وہ بات کہین ہے آیا اُسپر اکثر مسلمانون کا اجماع ہے یا نہین ؟

یہ کہا جاتا کہ دینی مدارس مین جدید علم طبیعیات یا تاریخ طبیعی کا کچھہ حصہ پڑھایا جائے تو قیامت برپا ہو جانے کے برابر ہے - جس نے ایسا کہا وہ بدعتی ہے - مخرب دین ہے اور اس قابل نہین کہ مسلمان سمجھا جائے - غرضکہ ایسی حالتون کو دیکھکر کوئی شخص کیونکر کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی طبیعت علم وہنر کے ساتھہ سامحت برتنے پر آمادہ ہے اور اُس نے علم دوستی کو ہمیشہ اپنا شیوہ رکھا ہے ؟ ہان ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمانون کی موجودہ حالت ایک مرض ہے جو کچھہ عرصہ سے اُن کو لاحق ہوگیا ہے تو ہم اس بات کو کبھی مان نہین سکتے

کیونکہ دنیا کے ایک گوشہ سے لیکر دوسرے گوشہ تک جہان جہان مسلمانون کی آبادی ہو جاکر اور غور سے اُن کے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد ہی دیکھا گیا کہ وہ سب لوگ متفق اللفظ کہتے ہین:-

"اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ"	"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم بھی انہی کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہین"

اب اگر کوئی شخص اس بات سے ذرا بھی خلاف ہو تو وہ سب اُسکے دشمن اور خون کے پیاسے بنجاتے ہین- اور خیر سے ایک مختصر فرقہ جو دائرہ تقلید سے نکلکر براہ راست کتاب وسنت سے احکام دین کے سمجھنے اور اُن پر عامل ہونے کا مدعی بن رہا ہے وہ مقلد لوگون سے ہی بڑھکر تنگ خیال اور ہر پھر کر نزاع لفظی ہی کے دایرہ مین رہنے والا ہے؛ ہم نے مانا کہ اُس نے بعض بدعتون یا من گھڑت باتون کو جو مرور ایام سے دین مین داخل کر لی گئی تھین ترک کر دیا ہے تاہم اوسکے خیال مین بجز اُس مفہوم کے جو نص صریح یا سنت صحیحہ کے الفاظ سے سمجھ مین آتا ہے اور کسی ایسے اصول کا تتبع اور لحاظ ضروری ہی نہین جن پر دین کی بنیاد قایم ہوئی اور جسکے لئے نبی کریم کو دنیا مین بھیجا گیا- لہذا یہ لوگ بھی علم کے سچے دوست اور تمدن کے ممد و معاون نہین ہو سکتے-

اصل یہ ہے کہ فقیہ لوگون نے ہر مسئلہ کا مدار قدما کی کتابون اور اُنکے اقوال پر رکھکر اپنی جان تحقیق وتدبر کی اُلجھن مین پھنسانے سے بچالی ہے- صورت معاملات خواہ کیسی ہی بدل گئی ہو لیکن وہ ہین کہ فتوی دیتے وقت وہی حکم لکھین گے جو آج سے پانسو یا ہزار سال قبل اُس معاملہ پر کسی نامی فقیہ نے صادر کیا تھا- اگر اُن سے کوئی یہ کہتا ہے کہ مذاہب اسلامیون پر تباہی آرہی ہے وہ دین کے اصول سے ہٹے جاتے ہین بدعتون اور خرابیون مین گرفتار- مفلس وخوار- گمراہ و بے اعتبار اور تمام خرابیون کے مجمع بن گئے ہین- پھر آپ کیون نہین انکو ہوش مین لانے کی کوشش کرتے انکو سلف صالحین کے

کا نام مٹنے نہ دیجئے اور راہ راست پر آنے کی ہدایت فرمائیے۔ تو کہدیتے ہین کہ یہ ہمارا فرض نہین اسکی فکر حکام وقت پر لازم ہے ہمسے مسئلے مسائل دریافت کر جاؤ۔ اور اگر حکام ان امور کا انسداد نہ کرین تو بس سمجھ لینا چاہیئے کہ قیامت کے آثار عیان ہو گئے ہین اب دنیا سے اسلام کا نام مٹ جائیگا اور جب قیامت آئیگی اُس وقت کوئی ایک بھی مسلمان باقی نہوگا پھر وہ اسپر حجت قایم کرنے مین مایوسی اور ناامیدی کے مفہوم سے بھری ہوئی آیتین اور حدیثین پڑھکر سنا دین گے جس سے اور بھی لوگون کے دل مردہ اور ہمتین پست ہو جائین۔ اور کسی کو کام کرنیکی ہمت ہی نہ باقی رہے ✣

اسلام کے بارہ مین پروفیسر رینان کی رائے۔ یہی جمود ہے جسکے عقلون کو مضمحل بنا دینے اور وجدان کو تنگ کر دینے کا حال اگر ہم لکھنا چاہین تو کئی ضخیم دفتر تیار ہو جائین۔ اور یہی وہ ہے جس نے فرانس کے نامور فیلسوف مسیو رینان کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ مذاہب کے علم کے ساتھ تساہل برتنے کا ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بیباکانہ فقرہ لکھہ جائے کہ ”مگر مجھکو یہ خوف ہے کہ عام عقائد کے ساتھ تسامح اور کرم کرتے مین صرف ایک دین اسلام ثابت قدمی دکھا سکے گا۔ مین جانتا اور بخوبی جانتا ہون کہ بعض قدیم آداب اسلام کے پابند اشخاص اور چند آستانہ اور ملک فارس کے مشہور و چیدہ عالمون کی طبیعت مین ایسے زبردست جراثیم موجود ہین جو اُن مین وسیع الخیالی۔ اور مسالمت کیطرف مایل ہونے والی عقل کے وجود کا پتا دیتے ہین۔ گو مجھے یہ خطرہ بھی ہے کہ بکثرت مسلمان علما اور فقہا. اُن معدودے چند لوگون کی گردن دبا کر اُن کا گلا گھونٹ دین گے اور جب وہ اس طرح مار دیئے گئے تو بس دین اسلام بھی بالکل مرجائیگا. تاہم اُن کے موجود ہوتے ہوئے اسلام کی زبردست نوع تمدن و تہذیب کی سرپرستی سے باز نہ آئے گی۔ موجودہ زمانہ کی رفتار دو باتون کا ثبوت دے رہی ہے. اول یہ کہ جدید تمدن ادیان و مذاہب کا وجود صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دینا نہین چاہتا کیونکہ ایسا کہنے مین پھر خود انہین

یہ صلاحیت نہین کہ کسی دین کے حاصل ہونے کا وسیلہ بن سکے۔ اور دوم یہ کہ تمدن جدید ادیان موجودہ کو اپنا سنگ راہ بنتے ہوئے بہی نہین دیکہہ سکتا۔ لہٰذا ان دونون اُمور کو پیش نظر رکھکر کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے مذاہب پر رفتار تمدن کے ساتھ نرمی اور آشتی برتنی واجب ہے ورنہ اسمین شک نہین کہ وہ ایک دن دنیا سے محو ہو کر رہینگے۔"

پہر اب کوئی بتائے کہ یہ عام جمود جس نے نکتہ چینون اور طعنہ زنون کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ اسلام مسلمانون کی چلتی ہوئی گاڑی مین روڑا اٹکائے گا اور اُن کو منزل کامیابی پر نہ پہونچنے دیگا۔ اگر خود مذہب کی طبیعت سے نہین پیدا ہوا تو اور کہان سے آیا؟ یا جو حوادث ہم اوپر بیان کر آئے ہین اگر وہ خود اصول دین ہی کے نتائج و آثار نہین تو کیا ہین؟ اسلئے اگر کوئی اسکو سختی اور ظلم نہ مانے اور نہ یہ مانے کہ ظلم و سختی مذہب اسلام کی لوازم مین داخل ہے تو اُسے یہ ضرور ماننا چاہئے کہ یہ حالت علم کے ساتہہ عداوت رکہنا کہی جا سکتی ہے اور علم کو بُرا سمجہنا۔ اُسکی ناقدری کرنا اور اُس سے نفور رہنا مسلمانون کی شان ہے اور ان دونون باتون مین سے کوئی سی ایک بات بہی ٹہیک ہو تو وہ مسلمانون مین عام طور پر پہیل جانے کی صورت مین اُنہین ہر ایک عزت و مرتبت سے بے بہرہ۔ ہر طرح کے فوائد سے بالکل محروم اور ہر قسم کی ذلت و خواری کا شکار بنا دینے کے لئے کافی ہے جبکہ رینان یا ایسے ہی

نوٹ: پروفیسر رینان کی یہ رائے ہے جو اُنہون نے مذہب اور تمدن کی باطنی طور پر چہڑ جانیوالی خونخوار جنگ کے متعلق ظاہر کی ہے اور ہم نے کسی قدر لفظی تغیر کے ساتہہ اُنکے قول کا خلاصہ درج کیا ہے لیکن مفہوم بالکل وہی ہے اور اس مین اُنہون نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس میدان جنگ مین تمدن و تہذیب کے بر خلاف اگر کوئی بہی مردانہ وار رد کر سکتا ہے تو وہ صرف مذہب اسلام ہے جو علم و ہنر اور عام عقاید کے ساتہہ درگذر کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ اور ابہی مسلمانون مین ایسے روشن ضمیر افراد بہی موجود ہین (گو عام نہ ہون) جنکو اسلام کی سچی روشنی سے بہرہ ملا ہے پہر ہم نہین سمجہتے کہ ہمارے مہربان معترض کیونکر یہ حکم لگائے دیتے ہین کہ دین اسلام مسلمانون کی راہ ترقی مین سنگ راہ بنا ہوا ہے اور وہ ہرگز اُنکو شائستگی و تہذیب کے بام پر نہ چڑہنے دیگا۔ (مترجم)

دوسرے علمار کا قول اُنپر صادق آجائیگا۔ اب تم کہو اس بارہ مین کیا کہتے ہو؟ +

جواب

ہم کہتے ہین واقعی ان خیالات مین سچ کی کچھ کچھ جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ اکثر حالتون مین قول سلف کی پیروی کرنے والے اور اُن کے اصول پر چلنے والے اشخاص قید مین ڈالدیئے گئے تو اسکا باعث دینی جوش یا تعصب نہ تھا بلکہ دستار بند حضرات کو اُن کے حسد نے بھڑکا کر ایسی حرکات پر آمادہ کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ پھر اُن لوگون کے قید کیئے جانیکی کیا وجہ تھی؟ تو ہم کہتے ہین کہ یہ مصلحت وقت تھی یا مقتضائے حکمت عملی تھا تاکہ ایک شخص جو آزاد خیال ہو کر تقلید کے دایرہ سے نکل بھاگا ہے مبادا اور بھی بہت سے لوگ اُسکی رائے کے متبع بنجائین اور آخر کار بیدینی اور آزاد خیالی عام ہوجائے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اسلئے اگر تم یہ کہو کہ حکمت عملی یا سیاست انسان کی فکر اور دین یا علم پر روک ٹوک قایم کرتی ہے تو مین بھی اس بارہ مین تمہارا ہم آہنگ بنکر کہونگا کہ ایسی سیاست سے خدا کی پناہ۔ اور ہر ایسا لفظ جو سیاست پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ سیاست کے معنی۔ اور اُسکے ہر لفظ۔ ہر خیال۔ اور ہر مقام سے جسمین سیاست کا ذکر ہوتا ہو مین خدا کی پناہ مانگتا ہون کیونکہ جس سیاست کا خاصہ یہ ہو کہ اقوال سلف کی پیروی کرنیوالے دیندار اشخاص پر حکم سزا جاری کرے۔ وہ ہرگز دین مین داخل نہین۔ مین خدا کو۔ اُسکے رسولون کو۔ اُسکے فرشتون کو۔ اور اپنے تمام سلف صالحین کو گواہ کر کے کہتا ہون کہ یہ سیاست دین سے کوسون بلکہ منزلون دور ہے اور سخت جہنمی فعل ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہین وہ محض اپنے گمراہ باپ دادون کی پیروی پر مٹے ہوئے اور دین یا اُصول دین سے بالکل بے تعلق ہین +

مُسلمانون کا جُمود اور اُسکے اسباب

اب رہا وہ جُمود جو اوپر بیان کیا گیا ہے سو اسکو خاص دین اسلام کی جانب منسوب کرنا

ہرگز صحیح نہین کیونکہ تمکو اسلام کا مصفا اور بے عیب چہرہ دکھایا جا چکا ہے۔ اور بتا دیا گیا ہے کہ اُسکے پاکیزہ اور دین و دنیا کی خوبیون کے جامع اصول ہرگز اپنے نفس مین کوئی ایسی خرابی نہین رکھتے جیسی معترض ناحق اسکے سر تھوپتے ہیں یا جسکا پروفیسر ریناں وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ البتہ جمود ایک مرض ضرور ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں بعض عقاید اسلام کو کمزور بنا دینے والے باطل عقائد کے داخل ہو جانے کی وجہ سے اُنکو لاحق ہو گیا ہے اور اب اُن عقاید نے لوگوں کے دلوں میں ایسی جڑ پکڑ لی ہے کہ اُن کے قلوب اور عقلوں سے نور اسلام کو خارج کر ڈالا ہے۔ اور اسکا ایک بڑا سبب یہ سیاست اور حکمت عملی بھی ہے جسکو خود قرآن کریم نفس پرستی اور پیروی شیطان سے تعبیر کر رہا ہے۔

یہ کچھ عجیب بات ہے کہ اسلام کی طرح کوئی مذہب ایسا نہیں ملتا جسکی اصل اتنی محفوظ رکھی گئی ہو۔ اور پھر باوجود اسکے پیروان مذہب کے عقاید اس قدر اوہام سے مخلوط ہوں! نہ اسلامی فرمانروا کے مانند کوئی تاجدار ایسا نظر آتا ہے جسکی سپاہ منتشر جسکی ذمہ داری باطل ہو۔ اور جسکے وعدہ اور وعید کی پروا نہ کی جاتی ہو۔ اور گو بظاہر دیکھنے والے اُسکے طرز عمل کو درست و صحیح دیکھتے ہوں۔ لیکن اُسکا باطنی ارادہ سمجھنا دشوار ہو۔ آہ! زمانہ اسلام کے اگلے پیرووں کو کھا گیا۔ اور بجائے اُن کے کچھ پچھلے زمانہ کے فرومایہ مسلمانوں کو صاحب حکومت بنایا جنہوں نے نہ اسلام کو پوری طرح سمجھ کر اُسے قایم کیا۔ اور نہ اُسکے حال پر رحم کھا کے اُسے ترک ہی کر دیا۔ عام لوگوں میں سے چند نفس پرست اور خود غرض اشخاص خواہ مخواہ کے مسلمان بن بیٹھے، اور اپنے تئیں حامی اسلام۔ ناصر دین۔ قامع بدعات۔ اور خدا جانے کن کن القاب سے دنیا کے سامنے لائے۔ حالانکہ اگر اسلام کے صحیح اصول کے رو سے دیکھا جائے تو اُنکی کوئی وقعت نہ تھی۔ اور اگر تھی بھی تو ایسی جیسے علم کے مقابلہ میں جہل کی۔ تحمل کے مقابلہ میں تند مزاجی کی۔ اور صائب الرائے کے مقابلہ میں کج فہمی کی ہستی ہوتی ہے۔ +

دیکھنے کے قابل بات تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک احسان اور اُسکی ایک خوبی ہی غلط فہمی وجہالت کی بدولت اہل اسلام کی ان تمام بربادیوں کی جڑ بنگئی۔ وہ کیونکر؟ یوں کہ اسلام ابتداً عربی دین تھا۔ پھر اُس میں علم وحکمت کا داخلہ ہوا تو وہ علم باوجود اسکے کہ پہلے یونانی علم تہا۔ مسلمانوں کے دماغ میں آتے ہی خالص عربی علم بنگیا۔ اسکے بعد ایک مسلمان خلیفہ سے طرز حکومت اور ملکی حکمت عملی میں غلطی واقع ہوئی اُس نے اسلام کی کشادہ دلی اور وسیع النظری سے فائدہ اٹھاکر ایک ایسا راستہ اختیار کیا جسے اپنے خیال میں باعث بہبودی تصوّر کیا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ عربی سپاہ زیادہ تر علوی خلیفہ کی طرفدار ہوگی۔ کیونکہ علوی لوگ (اولاد سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے سے زیادہ قربت رکھتے ہین اور اسلئے وہ خود بھی اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں اور عام اہل عرب بھی اُنہیں کا حق راجح مانتے ہیں۔ لہٰذا اُسکے خیال مین یہ بات جم گئی کہ ترک اور دیلم وغیرہ دوسری قوموں سے ایک فوج مرتب کرے جو اُن کی مطیع وفرمانبردار رہے گی اور انعام واکرام سے بندۂ احسان بنالیجائیگی۔ اور ایسی سپاہ اُن لوگوں کی کوئی امداد نہ کریگی جو وقتاً فوقتاً دعویدار خلافت بنکر اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے بنوعباس کے مقابلہ پر خروج کرتے ہیں۔ اور احکام اسلام کی وسعت وسہولت اُسکے لئے اس ارادہ کا پورا کرنا مباح قرار دیتی تہی۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور اُسی وقت سے اسلام بجائے عربی اسلام ہونے کے عجمی اسلام بنگیا۔ +

ایک عباسی خلیفہ کو ایسا خیال پیدا ہوا کہ وہ خاص اپنے اور اپنے جانشین لوگوں کے واسطے ایسی فوج کا زیادہ حصہ مرتب کرے جسکے افراد غیر عرب اقوام کے لوگ ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس طرح اُس نے اپنے دین اور اپنی قوم کے ساتھ پرلے درجہ کی بدسلوکی کی۔ بہرحال اُس نے اپنا ارادہ پورا کرلیا۔ اور اُس سپاہ کے افسر بھی اُنہی اقوام کے

چیدہ لوگ مقرر کیئے پھر تو چند روز بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ترکی اور دیلمی فوجوں کے سپہ سالار
خلفاء پہ ہر طرح قابض اور بااختیار بن گئے وہ طرح طرح کے ظلم وستم کرنے لگے اور جو کچھہ
چاہتے عباسی خلفاء سے منوا لیا کرتے۔ گویا حکومت اور سلطنت انہی کے ہاتھوں میں تھی
اور خلفاء محض نام کے لیئے فرمانروا رہتے۔ اُن ترکی اور دیلمی اقوام کے افسروں میں
اُس عقل کا کہیں نام تک نہ تھا جسکو اسلام پسند کرتا ہے اور نہ اُنکے پہلو میں ایسا دل تھا
جسکو دین نے تمام بُرائیوں سے پاک بنا دیا ہو۔ وہ زمانہ تاریکی وجہالت کی درشت
مزاجی کو ساتھ لیئے ہوئے اسلام کے زمرہ میں داخل ہوئے تھے اور اُن کے سینے
اِس قسم کے سوراخوں سے ہنوز پاک نہ ہوئے تھے جو ظلم وستم خودبینی۔ و نخوت اور
خود غرضی و نفس پرستی کے جذبات کو اپنے اندر راہ نہ پانے دیں جسکے ساتھ ہی اُن میں سے
اکثر لوگ پکے منافق اور بباطن اپنے مذہب شرک کے پیرو تھے۔ لیکن ظاہری طور سے
اسلام کے فرائیض کی پابندی کیا کرتے تاکہ لوگ اُن کو پکا مسلمان اور خیر خواہ اسلام شمار
کریں۔ اسکے بعد ایک اور زمانہ آیا جس میں تاتاری قوموں یا ایسی ہی بعض دوسری قوموں نے
اسلام پہ حملے کیئے۔ اور اُسپر حکمران بنے۔ انکی بد باطنی اور بد چلنی کی سب سے بڑی دلیل یہ
تھی کہ اُنہوں نے علم کی بیخکنی پر کمر باندہی جسکے ساتھ ہی اصل مذہب اسلام پر بھی ہاتھ
صاف کرنے سے نہیں چوکے اور دونوں کو ایسا مسخ کیا اور اس طرح مٹایا جسکی انتہا نہیں
علم کی بیخکنی کے لئے اُنہوں نے یہ وتیرہ اختیار کیا کہ علماء کی ناقدردانی کے علاوہ بہت
سے اپنے خاص لوگوں کو جو فی الحقیقت علم سے بے بہرہ تھے حکم دیا کہ علماء کا لباس
پہنکر عام لوگوں کو ایسی باتیں سنائیں جو اُنہیں علم کی طرف سے متنفر بنا دیں اور وہ طلب
علم سے باز آجائیں۔ اسکے بعد اُن فریبی اور جعلساز لوگوں نے تقوٰی اور نیک چلنی کا لباس
پہنکر اور رنگے ہوئے سیال بنکر عام لوگوں کے سامنے وعظ و ہدایت کا بازار گرم کیا۔ انکا
دعوٰے یہ تہا کہ دین میں بہت سی خرابیاں ہوگئی ہیں جنکو ہم دور کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں

جو نقص ہے اسکی تکمیل کے خواہان ہین۔

پھر انہوں نے وہی زمانہ بت پرستی کی عادتوں۔ اور اپنے گرد و پیش کی موجودہ عیسائی قوموں کے اطوار سے کچھہ نئی نئی بدعتیں مستعار لیکر اسلام میں بھی داخل کردین اور عام لوگوں کو یہ کہکر انکی جانب متوجہ کرلیا کہ ان امور میں شعائر اسلام کی عظمت اور اسکی شان و شوکت عیان ہوتی ہے۔ مولود شریف کی اور دیگر مذہبی مجلسین۔ عرس و فاتحہ خوانی کے مجمعے۔ اولیا، اور علما، و مشاہیر کی پرستش غرضیکہ طرح طرح کی خرابیان اور رخنے دین مین پیدا کر کے لوگون کو خوب گمراہ کیا۔ اور دین کی اصل اس بات کو قرار دیا کہ متاخرین سوائے اسکے کہ جو کچھہ علما، متقدمین اور مجتہدین لکھہ گئے ہیں اپنی طرف سے کچھہ نہین کہہ سکتے غلط سلط روایتوں اور لغو قصوں کی اشاعت سے عام خلقت کو اپنا گرویدہ بنالیا اور انہیں سمجھا دیا کہ ملکی معاملات کی رفتار مین تمکو دخل دینے کی حاجت نہیں۔ یہ حکام اور بادشاہون کا کام ہے وہ جو کچھہ کردین اسکو بسر و چشم مان لو۔ اور اس مین مداخلت کروگے تو عذاب کے مستوجب ہوگے۔ دنیا مین خرابیان اور فسادات پیدا ہوئے تو انہیں نیرنگی زمانہ کا مقتضی قرار دیکر بعض موضوع حدیثین اور اقوال سلف سنا کر کہدیا کہ یہ امر قرب قیامت کی علامت سے ہے اس وقت اگر کوئی کچھہ اصلاح کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔ بس سلامتی اسی مین ہے کہ اپنے معاملات کی باگ خدا کے قبضۂ قدرت مین دیکر تقدیر پر شاکر و صابر رہو اور اپنی ذات سے احکام خدا و رسول کی پابندی میں کمی نہ کرو۔ ایسے گمراہ بنانے والے دستار بندوں کا بہت بڑا گروہ پیدا ہوگیا اور وہ تمام اطراف عالم مین پھیل کر اپنا زہریلا اثر پھیلا رہا تھا۔ قضا و قدر کا عقیدہ انکے ارشاد و ہدایت کا آلہ تھا اور خلق اللہ کو راہ راست سے بہکا کر کاہل و بیکار بنانا انکا شیوہ۔ عام لوگون کی سادہ دلی اور لاعلمی انکی کامیابی کیلئے سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔ اصول دین سے بے خبری اور ان باتوں کو نفسانی خواہشوں کے موافق پانے کی وجہ سے لوگ ان کے پھندوں میں خوب پھنسے اور آخر کار یہ نتیجہ نکلا کہ باطل کی

ظاہری چمک دمک نے صداقت اور حق کی روشنی پر پردہ ڈالدیا۔ اور لوگوں کے دلوں میں اصول دین کے بالکل خلاف عقائد راسخ ہو گئے۔

یہ حکمت عملی تاریکی اور جہالت کی حکمت عملی تھی جسکو حکمران اور فرمانروا لوگوں نے رواج دیا اور دین مین ایسی خرابیان ڈالکر مسلمانون کی اُس اُٹھتی ہوئی امید کو پامال کر ڈالا جو اگر سر اُٹھاتی تو آسمانون کی تہ توڑکر اُس سے پار نکل جاسکتی تھی۔ آہ! اسی خرابی نے مسلمانوں کو مایوسی اور بیکاری کے برباد کُن غار میں دھکیل دیا اور اُنھیں کہیں کا نہ رکھا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ آج اسلام کی حالت نظر آتی ہے یا جسکو اس زمانہ مین اسلام کہا جاتا ہے وہ ہرگز اسلام اور اصلی اسلام نہین بلکہ اُسکو اگر اسلام سے کوئی تعلق ہے تو محض اتنا کہ اُس مین نماز۔ روزہ۔ اور حج کے اسلامی فرائض یا تھوڑے سے اسلامی اقوال وہ بھی اپنے اصلی معنون سے تحریف کئے ہوئے ہنوز موجود ہین۔ اور اہل اسلام بدعتون اور خرافات میں پھنسکر اب اُس جمود کے مرتبہ پر پہنچ گئے ہین جسکا معترض نے ذکر کیا ہی اور جسکو اُس نے دین وملت شمار کیا ہے "وھذا بھتان عظیم" خدا اُن کے اس بہتان سے اپنی پناہ مین رکھے جو اُنہون نے خلاق عالم اور اُسکے سچے دین پر باندھا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ مذہبی شعائر کے لحاظ سے یا دنیوی حالات کے نظر کرتے آج مسلمانون میں جس قدر عیوب ونقائص دکھلائی دیتے ہیں۔ وہ ہرگز خود اسلام نہیں ہیں بلکہ وہ چیزہی کچھ اور ہین جنکو خواہ مخواہ اسلام کے نام سے موسوم کرکے اسلام کو بدنام کر دیا گیا ہے۔ ہمارے اس دعوے کا شاہد صادق قرآن ہے۔ جسکی شان مین "لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ" آیا ہے۔ نہ اُسکے سامنے سے باطل آسکتا ہے اور نہ اُسکے پیچھے سے وہ سراسر ہے گئے حکیم کی طرف سے اُتاری ہوئی کتاب ہے اور قرآن اس بات کی سچی شہادت دیتا ہے کہ وہ لوگ جھوٹے اور اُسکے احکام کی طرف سے غافل ہین۔ چنانچہ ہم اب اس جمود کی خرابیاں پورے طور پر

بیان کرنے کے بعد یہ بھی ثابت کر دین گے کہ انشاء اللہ یہ علت ایک دن زائل بھی ہو کر رہے گی۔ *

اس جمود کی خرابیان اور اسکے نتائج

ملت اسلام میں یہ جمود بڑی مدت سے پڑا ہوا ہے اور اسکے قدم خوب جمے کیونکہ اسکے نگران اور عامل حضرات نے اپنے عمل کا سلسلہ جاری رکھنے مین پوری کوشش کی اور چونکہ اُن کی نفسانی خواہشین اس حالت کے قایم ودایم رہنے مین ہی پوری ہو سکتی تھیں اسلئے وہ اپنے چلتے ہوئے جادو سے برابر کام لیتے ہی رہے۔ اب اگر کوئی اس بات کو بیان کرنا چاہے کہ اس جمود سے کیا کیا اور کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہوئین تو بیان کو طوالت ہوگی مگر مختصر اور اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین اور اصلی دین تو وہی تھا جو عقل کے پُر زور بازو وں سے انسان کو علم کی وسیع فضا مین اُڑاتا اور تمام زمین کا چکر کاٹ کر آخر کار طبقات سمٰوات پر بھی صعود کرا لیجاتا تاکہ وہ وہان بھی خداوند قادر کی کسی آیات قدرت کا اکتشاف کرنا اور اسرار کائینات کا پتہ چلا کر اُن کے بنانے والے کی عظمت اپنے دل میں قایم کر سکتا یا شریعت خداوندی کے احکام مین سے کسی مفید اور تازہ حکم کا استنباط کرتا غرضکہ علوم و فنون کا پُر بہار اور وسیع میدان وسبزہ زار عقول انسانی کا رمنا ہوتا اور وہ اسکے ترو تازہ میوون کو بے تکلف چن کر کہاتیں اور لطف اُٹھاتیں لیکن جس وقت دین کی رفتار تھم گئی اور علم ویقین کے طالب اشخاص ہمت ہار بیٹھے تو علم کی حرکت بھی رک گئی اور اسکی ہوا کا رخ پھر گیا۔ مگر یہ بات یکبارگی ظہور پذیر نہین ہوئی بلکہ تدریجی رفتار سے وقوع مین آئی۔

جمود کا ظلم زبان پر — اس جمود کا سب سے پہلا ظلم عربی زبان پر۔ اور اُسکے اسلوب بیان اور آداب پر ہوا۔ ابتدا مین مسلمانون کو بدین وجہ کہ یہ اُنکی دینی زبان تھی اور دین کی فہم کا دارومدار اسکے عمدہ طور سے جاننے ہی پر تھا۔ اسکی طرف ایک خاص توجہ تھی۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ مسلمانون کو اپنی دینی کتاب اور آسمانی مجموعہ قوانین کے سمجھنے۔ اسکو

اسلوب بیان کی باریکیان معلوم کرنے۔ اور اُسکی ہیئت ترکیب کے فوائد سے باخبر بننے کے لیئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ وہ اُس زبان کی عمدہ استعداد بہم پہونچائین جسمین وہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اور اسی لئے اُنکا خیال تھا کہ جبتک وہ اپنے تمام ملکات زباندانی اصل اہل عرب کی طرح پورے نہ کر لینگے اس مرتبہ پر پہونچنا دشوار ہے اور تا وقتیکہ وہ خالص اور زبان آور اہل عرب کے ہم پلہ نہ بن جائینگے فہم کتاب مشکل ہے۔ پھر جبکہ پچھلے زمانہ والون کو بجز اسکے کہ وہ متقدمین کے اقوال پر عمل کرین اور کسی امر کی ضرورت ہی نہ رہی ہو تو اُنھون نے عربی زبان کی تحصیل مین کمی کرنی شروع کی اب اُن کو محض اتنی زباندانی سیکھنے کی حاجت تھی جسکے ذریعے سے وہ متقدمین (علماء اور مجتہدین) کا کلام سمجھ سکیں۔ اور اُن کے اقوال سے خدا اور رسول کے احکام معلوم کر لین۔ اُنکو دلیل اجتہاد یا علتِ حکم تلاش کرنے کی حاجت ہی نہ رہی اور ہو بھی تو اس دقت کا دفعیہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ جب وہ دلیل کو دیکھین اور اُسے متقدمین کے قول سے خلاف دلالت کرنے والا پائین تو ایک اُلجھن مین پڑ جائین گے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس طرح انسان سے غلطی اور چوک ہوتی ہے اور شرع نے کسی انسان کو اس بارہ مین معصوم نہین قرار دیا ہے اُسی طرح اُس مجتہد یا حکم کے استنباط کرنے والے اگلے عالم سے بھی فہم نص یا تاویل معانی حدیث مین غلطی ہوئی ہو۔ اور ایسا کرین بھی اور یہ معلوم بھی ہو کہ متقدمین نے اس نص سے جو مفہوم لیا ہے وہ غلط ہے تو وہ اپنی ہی نظر کو غلط اور اپنی ہی سمجھ کو ناقص قرار دیکر کہہ دین گے۔ نعوذ باللہ بھلا اگلے بزرگون نے جو بات سمجھی یا اُنکی عقل جس طرف گئی ہے اُسکے خلاف کیونکر سمجھ سکتی ہین۔ اور یہ کہہ کر خواہ مخواہ اپنی قوت فکری کو مضمحل کر دین گے۔ پھر اس صورت مین اُنکو مکمل عربی زبان سیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ بس اتنی زبان آجانی کافی ہے جس سے متقدمین کا طرز بیان سمجھ مین آسکے اور یہ ظاہر ہے کہ فقہاء متقدمین اُن اہل عرب مین سے تو تھے نہین جن کے کلام اور زباندانی پر دورِ اول کے مجتہدون کی نظر تھی۔

اسی طرح جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے تمام پچھلے علما اور فقہا اپنی نظر کا قصور اپنے سے پہلے فقہا کے اقوال ہی پر چھوڑتے جاتے ہین اور سلف اول کے اقوال کی ذرا بھی خیال نہیں کرتے نہ اس بات کو دیکھتے ہین کہ اُن احکام کے استنباط کے وقت حالات زمانہ کیسے تھے اور ضرورت وقت کیا چاہتی تھی۔ بس اس زمانہ کے فقہا رہین اونکی لفظی پیروی اور لفظ بھی وہ جو اُن سے صدی دو صدی پہلے تقلید کی قید و بند وضع کرنے والے فقہا لکھ گئے ہین۔ پھر اب اون کو تحصیل زباندانی کی کیا حاجت ہے۔ اور اسی لئے جون جون اہل زبان سے دوری پڑتی جاتی ہے عربی علم ادب کی کساد بازاری ہوتی جاتی ہے چنانچہ آجکل یہ حالت ہوگئی ہے کہ زباندانی کی تحصیل اگر کیجاتی ہے تو محض اس غرض سے کہ نحو اور فن بلاغت و معانی و بیان کی بعض کتابون کا سمجھنا اور اُن کے مطالب پر عبور کرنا آسان ہو نہ کہ اُس سے آگے بھی کچھ سمجھنے اور مطالعہ کرنے کی قوت پیدا کیجائے!! اسلئے اگلے مسلمانون کے علوم اور اُنکی دماغی محنت کے کارنامے اس زمانہ مین تقریباً نابود ہو گئے ہین۔ بلکہ سلف اولین رضی اللہ عنہم کی قابل قدر اور مستند تصانیف کا پتہ بھی نہین ملتا۔ آج اگر کوئی شخص امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مدونۃ الکبریٰ" یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الام" یا فقہ حنفیہ کی بعض اصلی کتابین تلاش کرنا چاہے تو اسکی یہہ جستجو اس بات کے ہم معنی ہوگی کہ وہ کسی بے دین اور زندیق کے گھر مین مصحف مجید کی تلاش کر رہا ہے۔ اگر ان کتابون کا کوئی جزو دنیا کے ایک حصہ مین ہے تو دوسرا کسی دوسرے حصہ مین اور پھر وہ اگر اجزا یکجا بھی کئے جائین تو نقل کرنیوالون کی مہربانی سے اُنکی صورت اس قدر بگڑ گئی ہوگی جس سے استفادہ حاصل کرنا مشکل ہوگا[1]۔

یہ سب اسی جمود کا اثر ہے اور اسکا نتیجہ کہ معاذ اللہ خدا سے بدگمانی کیجاتی ہے۔ اور

---

[1] یہ کتابین آجکل مصری مسلمانون کی کوشش اور تلاش سے طبع ہو رہی ہین اور ابھی جستجو جاری ہے۔ تاکہ جہانتک ممکن ہو دور اول کے مجتہدین اور ائمہ کی سب کتابین چھاپ دی جائین۔ (مترجم)

لوگون کے دلون پر یہ وہم مسلط ہوگیا ہے کہ متاخرین پر فضل الٰہی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہین تاکہ اس طرح پر متقدمین کی منزلت رفیع ہو۔ چنانچہ اب لوگون کو اُن حدیثون پر بھی اعتبار اور توجہ نہین ہوتی جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمائی ہین کہ "بسا اوقات[۵۱] دوسرا سُننے والا پہلے اور اصل سُننے والے سے ایک بات کو زیادہ یاد اور محفوظ رکھہ سکتا ہے" یا یہ کہ "[۵۲] اُس امت کی حالت مثل موسم بارش کے ہے کوئی نہین جان سکتا کہ اُسکا آغاز اچھا ہوگا یا خاتمہ" اور اس کم توجہی نے خود متقدمین کے آثار بھی ضایع کر دیئے ہین۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بلا شبہ ناظرین میرے اس بیان کو پڑھکر اُس نقصان کی مقدار کو سمجھہ سکیں گے جو زباندانی پر اس ظلم وستم سے واقع ہوا ہے۔ اور جسکا کم از کم نتیجہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی زبان کیا بلکہ اپنے دین۔ اپنی کتاب۔ اور اپنے قوم کی زبان (عربی) میں کچھہ گفتگو کرے تو اوسکو ایسا کوئی شخص نہ ملے گا جو اُسکی بات کو پوری طرح سمجھہ سکے۔ اس سے بڑھکر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے کہ ایک مقرر اپنی تقریر کا مفہوم دوسرون کے دماغ وعقل تک نہ پہنچا سکے۔ +

اس جمود کا ستم نظام تمدن اور معاشرت پر

اِس سے بھی بڑھکر جو ستم اس جمود نے کیا وہ قومی تفریق اور اُنکے نظام اجتماعی مین خلل ڈالنا ہے جسکی وجہ سے مسلمانون کے متعدد فرقے اور گروہ بن گئے۔ اور ان مین باہم خانہ جنگیان شروع ہوگئین۔ سلف صالحین کے وقت مین فتوے دینے مین جو اختلاف ہوا کرتا تھا وہ محض اُن افراد کی تقصیر فہم اور

---

۵۱ ابن مسعود رضہ کی حدیث جو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضر اللہ امرءًا سمع منی شیئًا فبلغہ کما سمعہ فرب مبلغ ادعی لہ من سامع" اور دوسرے لوگون نے بھی اسکی روایت کی ہے۔ (المنار)

۵۲ حدیث انس رضہ۔ بروایت ترمذی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مثل امتی مثل المطر لایدری اوّلہ خیر ام آخرہ" ورواہ غیرہ۔ (المنار)۔

اختلاف نظر کا نتیجہ تھا جو ایک فطری امر ہے لیکن اُن سب کا مرجع صرف کتاب الٰہی اور ثابت شدہ صحیح حدیث کے علاوہ کوئی اور چیز نہ تھی۔ اسلئے اُن کے وقت مین نہ کوئی ایسا مذہب اور نہ ایسا گروہ اور جماعت تھی جو ایک دوسرے کے مقابلہ پر آنے اور باہم جنگ وجدل کرنے کیلئے آمادہ ہوجائے۔ بلکہ وہان تو اگر ایک شخص پر دوسرے شخص کے قول کی صحت ظاہر ہوجاتی تھی تو وہ سر آنکھون سے اُس قول پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور تمام سلف صالحین نے اسی بات کی تصریح کی ہے۔ پھر وہ زمانہ آیا جس مین جمود کے مددگارون کا جتھا قایم ہوا اور اُنھون نے یہ اصول قرار دیا کہ جو شخص کسی ایک امام کے مذہب پر عمل کرتا ہے اُسکی اولاد بھی باپ ہی کے مذہب پر رہنی چاہئے اگر وہ اولاد یہ چاہے کہ باپ کا مذہب ترک کرکے کسی دوسرے امام کی پیروی کرلے تو یہ صورت جایز نہ ہوگی۔ ان لوگون کا زبانی قول تو یہ تھا کہ جتنے ایمہ ہین وہ سب شارع علیہ السلام کے اقوال پر عمل کرتے ہین اور سب برسر حق ہین لیکن عملاً اسکی پیروی معلوم۔ گویا کہ اُن کے قول وفعل مین مطابقت نہ رہی۔ اسکے بعد ایک دوسرا دور آیا جس مین ہر ایک مذہب کے ایمہ اور مقتدا اُون کے مابین جنگ وجدل۔ مباحثہ ومناظرہ۔ اور سب وشتم کا بازار گرم ہوا اس بُرے کام مین جتنی دماغی اور زبانی قوت صرف کیجاتی تھی کاش اُس سے نصف طاقت بھی اگر اصول دین کی تحقیقات وتشریح اور عام لوگون مین اُسکے صحیح عقاید وآداب کی اشاعت پر خرچ کی گئی ہوتی تو آج ہماری یہ سقیم حالت ہی کیون ہوتی؟ ان باہمی اختلاف رکھنے والون کی کتابون پر نظر ڈالنے سے اُن مین ایک دوسرے پر اس قسم کے طعنون کی بھرمار نظر آتی ہے جسکی اجازت اُن کے کسی مذہبی اصول سے نہیں ملتی اور جسکو اسلام نے نہایت قابل نفرت امر قرار دیا ہے۔ ایک دوسرے کو گمراہ کہتا ہے دوسرا اُسے بے دین بتاتا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو دونون کی حالت یکسان ہے اور یہ سب اسی جمود کا نتیجہ ہے کہ وہ جان بوجھکر انجان بنے ہوئے ہین۔

سلف اول کے عہد مین اختلاف عقائد بھی اُسی انداز پر تھا جس طرح فتووں مین اختلاف ہوتا تھا۔ ہر شخص اپنے خیال اور اپنے فہم مین دوسرون سے مختلف ہوتا تھا۔ مگر اس مین کبھی مضائقہ نہین کیا گیا کہ ایک فریق دوسرے فریق سے علمی استفادہ کرے اختلاف رائے ہر شخص کا ذاتی فعل سمجھا جاتا تھا جسکو اجتماعی اُمور مین کوئی دخل نہ تھا اور میل جول۔ درس و تدریس محبت و یگانگت کے تعلقات برابر جاری رہتے تھے۔ سب کی مسجد ایک۔ امام ایک۔ اور خطیب ایک۔ مگر جس وقت سے جمود کا دور شروع ہوا۔ اور اسکی سیاست کا دور دورہ آیا۔ اختلاف عقائد سے آپسمین جدائی اور ترک یگانگت کی بنیاد پڑی۔ نماز کی جماعتین الگ الگ ہوئین۔ میل جول گھٹا۔ ہر ایک فرقہ جدا جدا امتیاز کے ساتھ قایم ہوا۔ اور گروہ بندیان ہونے لگین لیکن یہ ساری باتین دینی ہدایت کے بالکل خلاف تھین۔ لطف تو یہ ہے کہ کچھ لوگون نے اس بات کی بھی بڑی انتہا کوشش کی کہ فرقہ ہائے اسلام کی حقیقی امتیازی علامتین واضح کرین مگر وہ ناکام رہے اور جو اصول اس امتیاز کے اُنہون نے قرار دیئے وہ صرف وہمی باتین تھین جنکو حقیقت سے ذرا بھی تعلق نہین۔ اکثر مسایل مین جو اختلاف ہے وہ نزاع لفظی کی حد سے آگے نہین بڑھتا۔ یہ تمام باتین نفسانی خواہشون۔ خود غرضیون۔ اور حکمت عملیون یا یون کہئے کہ یاران طریقت کی چالبازیون کا نتیجہ تھین یہان تک کہ گروہ بندیان ہو جانے کے بعد آپسمین زبانی مباحثون سے بڑھکر تلوار بھی چلنے لگی اور ایک فریق دوسرے فریق کا بالکل تشنۂ خون بنگیا جسکا انجام اس طرح کی تفریق اور جدائی نکلی ہے جو درد لا دوا کہی جائے تو درست ہے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ کسی شخص نے مصر مین یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہان اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ مین سے ہر مذہب کے قاضی مقرر کئے جائین کیونکہ ان مذاہب کے اصول ایک دوسرے سے قریب قریب ملتے جلتے ہیں اور اُنکی کتابون کی

عبارتین اس وضع کی ہین کہ جو شخص ایک مذہب کی فقہی کتابون سے واقف ہے وہ باقی مذاہب کی کتب فقہ کو بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مجوّز نے بیان کیا تھا کہ "موجودہ زمانہ کی ضرورت اس بات کی مقتضی ہے کہ احکام شرعی کے متعلق لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے اور شر وفساد دفع کرنے کے واسطے محض فقہ حنفی کے مسائل پر عملدرآمد رکھنے کے بجائے کچھ اقوال امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ کے اجتہادی مسائل سے بھی لے لئے جائین"۔ بس اتنی سی بات کا کہنا تھا کہ آفت آگئی۔ پاک باطن اور متقی حضرات نے دین کی جان کو رونا شروع کر دیا۔ اور ایک کہرام مچا دیا۔ کیون؟ کیا اسلئے کہ مجوّز نے کوئی امر دین کے خلاف طلب کیا تھا؟ وہ تو نہایت قابل قدر تجویز پیش کرتا تھا اور سراسر حق بجانب تھا۔ اُس نے ایک لفظ بھی دین کے خلاف نہین کہا۔ اور کچھ یہی سال پیشتر اقطار جہان مین اسی پر عمل بھی ہو رہا تھا۔ اب کوئی بتائے کہ اگر وہ ائمہ اربعہ کو ائمہ ہدیٰ اور متبع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہین تو کیا وجہ ہے کہ اُن کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے ہچکچاتے ہین؟ کچھ نہین یہ سب اُسی جمود کا نتیجہ اور اُسی کا اقتضاء ہے کہ متاخر (پچھلے) کو متقدم (اگلے) کی رائے پر بھروسہ کرنیکے سوا خود دینی معاملات مین غور وخوض کرنا ہی نہ چاہئے!! یا یہ حکمت عملی ہے کہ جس چیز کو چاہین حلال اور جسے چاہین حرام بنا دین۔ عام آدمی بیچارے اپنی نفسانی خواہشون اور اُن جامد دستار بندون کی قوت کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کئے ہین۔

اس جمود کا ستم شریعت اور اہل شریعت پر

احکام شریعت مین اس جمود نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اُنہین حد سے بڑھ کر سخت اور ناقابل برداشت بنا دیا جسکی وجہ سے آخرکار لوگ پابندی شرع سے دل چرانے لگے۔ اور دین مین سخت خلل واقع ہو گیا۔ جن دنون اسلام اسلام تھا اُسکی شریعت اتنی نرم اور آسان اور اس قدر دل لبھانے والی تھی کہ تمام عالم بخوشی اُسکے جانب کھنچا آتا تھا اور سب کی سمائی اُسکے اندر ہو جاتی تھی

لیکن آج وہی شریعت ہے کہ اپنے لوگون پر بھی بارگران بنگئی ہے اور لوگ اُسے چھوڑ چھوڑ کر اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی معاش کے حصول کے لئے غیر مشروع قوانین کے سایہ مین پناہ لیتے جاتے ہین متقی سے متقی مسلمانون کے دل پابندئ شریعت کے بار سے دبے جاتے ہین اور وہ کسی نہ کسی طرح اسکے پھندے سے نکلنے کی سعی کرتے ہین - لوگون پر پابندئ شریعت اس قدر گران گزرنے لگی ہے کہ اُنہون نے عاجز آکر شریعت کا علم ہی حاصل کرنا ترک کر دیا - چنانچہ اب علمائے شریعت یا اُسکے واقفکارون کی تلاش کیجائے تو دس ہزار مسلمانون مین شاید ہی ایک آدمی ایسا ملے جسکو کچھ احکام دین کا علم ہوگا ورنہ وہ بھی نہین - پھر کیا یہ بات ممکن ہے کہ کوئی شخص جو ایک شریعت سے بالکل انجان ہے وہ اُسکے احکام پر عمل کر سکے ؟ ہرگز نہین - اسی لئے عام مسلمانونکا بیشتر حصہ اپنی شریعت کے خلاف عمل کرتا ہے اور یہی نہین بلکہ بڑی آفت تو یہ ہے کہ ان کے دلون سے شریعت کی عزت بھی اُٹھ گئی ہے اور اُن مین اتنی طاقت نہین کہ اپنے اعمال کو احکام شریعت کے مطابق بنا سکین اس بارہ مین سب سے پہلا امر مانع یہ ہے کہ وہ شریعت کو سمجھنے کی طاقت نہین رکھتے - کیونکہ دینی کتابون کی عبارتین مشکل ہونیکے علاوہ کثرت اختلاف جو مسائل میں پایا جاتا ہے اُنکی عقل کو چرخ کر دیتا ہے مینے ایک دن کسی مدرس سے جو بعض مذاہب کا درس دیا کرتا تھا دریافت کیا - کیا آپ خرید و فروخت اور مبادلہ نقد اُنہی قواعد کے مطابق کرتے ہین جو آپکے مذہب کی کتابون مین مرقوم ہین ؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ احکام معاملہ کے وقت تو شاید ہی کبھی اُسکے دل مین گزرتے ہون اور وہ اُن پر بالفعل عمل کرتا ہو لیکن جیسا عام دستور ہے اُسکے مطابق لین دین کر لیا کرتا ہے - دیکھو اس جمود نے خود اہل شریعت کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے - کاش وہ شریعت کو ایسی زندگی بخشتے جسکے ذریعہ سے مخلوق الٰہی زندہ رہ سکے تو خود وہ اور تمام انسان دونو نہایت آسانی کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہے اور ایسے مُردہ دل کبھی نہ بنتے -

تمکو یہ معلوم کرکے سخت حیرت اور بیحد تاسف ہوگا کہ اس زمانہ مین لوگون کے اخلاق بہت بگڑ گئے ہین اور وہ احکام شریعت سے بالکل منحرف ہوگئے ہین۔ اب اگر دیہات اور چھوٹی بستیون اور شہرون مین اس حالت کے پیدا ہونے کا سبب دریافت کرو تو دو باتین پائی جائینگی امر اول یہ ہوگا کہ وہان کوئی شخص شریعت اور دین کا پوری طرح جاننے والا نہ تھا جسکی وجہ سے وہ گانون یا شہر سخت تاریکی اور نادانی کی حالت مین مبتلا ہوگیا اور بوقت ضرورت وہان کے لوگ حرام وحلال کے مسایل دریافت کرنیکے لئے آپسمین ایک دوسرے سے استفسار کرنے پر قانع رہے حالانکہ نادانی اور عدم واقفیت دین کے لحاظ سے جو حالت سایل کی تھی وہی مجیب کی بھی تھی یعنی دونون یکسان جاہل تھے اور امر دوم یہ ہے کہ علوم دین کے واقف کار موجود تھے مگر مسائل اور علت احکام کو سمجھا سکنے سے عاجز تھے کیونکہ وہ اپنی تقریر مین ایسی خوبی سے مسایل کی تشریح نہ کرسکتے تھے جسکو عام لوگ بآسانی سمجھ جائین اور اُنکی تشفی ہوجائے چنانچہ جب اُن سے کسی بات کا سوال کیا گیا تو اُنہون نے کوئی کتاب اُٹھاکر دکھادی یا کوئی ایسی عبارت پڑھدی جسکو سُننے والا خاک بھی نہ سمجھا کہ اسکا مطلب کیا ہے اور نہ خود سمجھانے والے مین اتنی قوت ہے کہ وہ مستفہم کو دل کھول کر سمجھا سکین۔ غالبًا یہان سوال پیدا ہوگا کہ یہ کیون؟ جبکہ وہ عبارت پڑھکر خود اُسکا مدعا سمجھ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرونکو نہ سمجھا سکے؟ ہم کہتے ہین کہ اسکی علت ہے "خود کردہ را علاجے نیست" وہان تو حضرتنے اپنے تئین طوطی سمجھ رکھا ہے اور اس بات کا عادی بنالیا ہے کہ ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ـــــ آنچہ اُستاد ازل گفت ہمان میگویم

اور اُستاد ازل کے قول کو بیان کرین تو بھی ایک بات ہے وہ تو محض اپنے اساتذہ اور مشائخ کی سینہ بسینہ چلی آنیوالی تقریر پر ایک لفظ کا اضافہ یا اُسکے اسلوب بیان مین کوئی تغیر کرنا بھی گناہ تصور کرتے ہین اسلئے یہ بات اب اُن کے قابو سے باہر ہے کہ وہ

اپنی سُنی ہوئی تقریر اور اپنے معلوم کئے ہوئے مطلب مین کچھہ بھی تصرف کرین۔ اگر تم کسی عالم سے یہ کہو کہ:۔ جناب آپ بیان مطالب کے ایسے وسائل اور ذرائع سیکھیئے جو آپکو مختلف طبقہ کے آدمیون سے خطاب کرنے اور اپنا مافی الضمیر اُن کے دل مین منتقل کر سکنے پر قادر بنا دین تاکہ آپ خود اپنے علم سے نفع اُٹھائین اور دوسرے لوگ بھی آپکے علم سے نفع حاصل کرین۔ اور آپ اپنی طبیعت پر زور ڈالکر اپنے امام کے قول کی اصلی غرض معلوم کرنے کی سعی کرین جس سے وہ اصل بطور تمثیل اس مسئلہ پر منطبق ہو سکے گو اس مسئلہ کا ذکر اُس امام کے قول مین نہ آیا ہو یا اُسکے بعد اُسکے پیرؤون نے بھی اسپر لحاظ نہ کیا ہو لیکن آپ کی یہ کوشش غالبًا بارور ہوگی اور ایک مفید مسئلہ حل ہو جائیگا۔ اب اُدھر سے کیا جواب ملتا ہے؟ یہ کہ "سبحان اللہ! اگلے بزرگون اور مشائخ مین کسی نے بھی ایسا کیا ہے جو مین اسپر عمل کرون؟" گویا جو کچھہ اُسکے اُستاد یا شیخ نے کہا ہے یہ اُسکے خلاف کچھہ کہنا ہی نہین چاہتا اور اُسی سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آتی والی تقریر پر قانع ہے جو اُس نے اپنے اُستاد سے سُنی اور وہ اُستاد اپنے اُستاد سے سُن چکا تھا وَ ہَلُمَّ جَرًّا۔ لیکن اگر ذرا دور تک نگاہ ڈالی جائے تو اگلے مشائخ کا طرز عمل اس کے خلاف نظر آسکتا ہے۔ اُنہون نے اکثر باتون مین اپنے فاضل اور اہل کمال مشائخ و اساتذہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور ذاتی اجتہاد سے کام لیا ہے۔ تاہم اگر تم اس بنیاد پر اپنے مخاطب کے سامنے حجت پیش کرو تو کچھہ بعید نہین کہ وہ تمہین بے دین اور گمراہ قرار دیدے۔ حالانکہ سمجھہ ہوتی تو اُسکو معلوم ہو جاتا کہ اس طریقہ پر وہ خود اپنے نصوص دین کی مخالفت کرتا اور اُس سے خارج ہونے کی آمادگی ظاہر کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ تعالےٰ منہ۔

ایک مرتبہ مین کسی مدرس سے گفتگو کر رہا تھا کہ طالب علمون کو خوش اخلاقی اور نیک چلنی کی نصیحت کرنی ضروری ہے خاصکر جس وقت اُنہین فقہ اور حدیث کا سبق دیا جاتا ہو یا مسائل توحید سمجھائے جاتے ہون اُس وقت اس بات کی نہایت ضرورت ہے

میرے مخاطب مدرس صاحب نے جواب دیا۔ اس مین کوئی بھی نفع نہین اور ہو بھی تو مفت کا دردسر کون خریدے!" مین نے کہا: جناب یہ تو آپ کا فرض منصبی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرمائیے اور آپ کو اس مین مضائقہ کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے" کہنے لگے: مگر جب یقین ہو جائے کہ ہماری اس جگر کاوی کا کوئی فائدہ نہوگا تو امر و نہی کی ضرورت کیا ہے؟ پھر تو یہ ایک لغو کام ہوگیا" !! دیکھو ایک دانا اور مدرس شخص نے کیونکر یہ بات اپنے ذہن نشین کر لی کہ لوگون کے دلون مین حد درجہ کی خرابی جم جانے کی وجہ سے اب اُنپر وعظ و پند کا اثر ہونا محال ہے۔ مگر اُس نے یہ خیال نہین کیا کہ آخر اس خرابی کو دفع کرنے کا وسیلہ بھی تو استعمال کرے حالانکہ دین اُسپر ذمہ داری عائد کرتا ہے اور وہ ہر روز ایسے ہی ناقابل اصلاح لوگون کو تعلیم دینے کا کام کرتا بھی رہتا ہے پھر آخر اسکی وجہ کیا ہے کہ اُس نے یہ خیال ظاہر کیا یا ایسی رائے قایم کر لی؟ محض یہ کہ اُس نے اپنے تئین کسی ایسے وسیلے پر عامل ہونیکا اہل نہین پایا جو اُسکے استاد یا مرشد نے استعمال نہین کیا تھا۔ اور چونکہ خود اُس نے تعلیم پاتے ہوئے اپنے شیخ اور معلم سے اُن احکام الٰہی کا کوئی ذکر نہین سُنا تھا جو نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارہ مین وارد ہوئے ہین اسلئے وہ بھی اپنے شاگردون کو ایسے احکام سُنانے سے گریز کرتا ہے ورنہ خدا کی رحمت سے نا اُمید ہونا گمراہ یا ناشکرون کا فعل ہے۔

اور اس سے بھی بڑھکر یہ ہے کہ اگر تم اُس سے کہو کہ جس طرح کی تعلیم آپ دیتے ہین وہ بالکل بیکار و غیر مفید ہے۔ اور یہ کتاب جسکے پڑھنے کی عادت ڈالدی گئی ہے بعض اوقات طالب علمون کو مضرت پہنچاتی ہے اسلئے بجائے اسکے دوسری کتاب پڑھانا بہتر ہوگا تو تقریباً وہ تمہاری اس گفتگو کو بھی دین کی مخالف سمجھیگا اور اپنی عادت کو چھوڑنا گویا مذہب مین خلل ڈالنا تصور کریگا۔ بسا اوقات اتنی ہی بات کے لئے وہ تم سے لڑائی بھی ٹھان لے گا اور اپنے تئین مجاہد فی سبیل اللہ سمجھکر تمکو شکست دینے کی تدبیر کرے گا۔

پھر اگر کہین یہہ کہدو کہ: سلف صالحین تلامذہ کے سامنے کتابین رکھکر نہین پڑھاتے بلکہ وہ علمی مسائل اور حقایق پر زبانی تقریرین کیا کرتے جسکو سننے والے شاگرد لکھ لیتے تھے اور اسی غرض سے اُن کے پاس کاغذ و قلم و دوات حلقہ درس مین موجود ہوتی تھی۔ تو باوجود اسکے کہ وہ تمہارے بیان کو صحیح مانیگا اور اسکی صداقت کا معترف ہوگا لیکن اپنا طرز عمل نہ بدلے گا۔ کیوں؟ اسلئے کہ اُس نے اس زمانہ کے تمام لوگون کو صرف کتابون سے سبق پڑھاتے دیکھا۔ اب کیا کسی سمجھدار شخص کے دل مین یہ خیال گزر سکتا ہے کہ یہ جمود دین کی طرف سے آیا ہے؟ اور کیا کوئی معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس جمود کے دین اور اہل دین پر باعث وبال ہونے مین کلام کر سکتا ہے؟۔

اس جمود کا ستم عقیدہ پر مذکورۂ بالا جمود تو عمل مین تھا لیکن اس سے بھی بڑھکر سخت اور ضرر رسان جمود وہ ہے جو عقیدہ مین پیدا ہوا۔ لوگ اس بات کو بالکل بھول گئے کہ کتاب اللہ کے حکم اور سنت رسول اللہ صلعم کی تائید سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایمان کا اعتماد محض یقین پر ہوتا ہے اور اس بارہ مین ظن پر عمل کرنا ہرگز درست نہین۔ یا یہ کہ خدا اسکے علم اور اسکی قدرت پر ایمان لانے اور تصدیق رسالت کے بارہ مین یقین کا سرچشمہ عقل ہے اور اسکے بعد علم غیب مثلاً احوال آخرت اور فروض عبادات اور عبادت کی شکلون وغیرہ کا علم حاصل کرنیکے لئے نقل کو اسکا سرچشمہ قرار دینا چاہئے۔ اور عقل اگرچہ نقل سے ضروریات دین اخذ کرنے مین تنہا مستقل بالذات نہین ہے۔ تاہم خداوند پاک کے وجود اور اُسکے رسولون کے بھیجنے کی ضرورت کا اعتقاد پیدا کرنے لئے لامحالہ عقل ہی سے کام لینا پڑے گا اور عقل ہی اسباب کی ضرورت ثابت کریگی کہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول اُسکی جانب سے ہمارے لئے منقول علوم لاتے ہین۔ غرضیکہ ان تمام باتون کو فراموش کر بیٹھے اور کہدیا۔ کہ عقیدہ کے بارہ مین کسی خاص مذہب کی پابندی لازمی ہے جسکی وجہ سے الگ الگ صدہا فرقے اور گروہ بن گئے اور ہم پہلے اس بات

کو بیان کر آئے ہین۔ پہر اسی پر اکتفا نہین کی کہ نفس معتقدات مین کسی خاص مذہب کا اتباع لازم قرار دے لیا ہو بلکہ بعض لوگ اس طرف چلے گئے کہ فلان اعتقاد تک پہونچنے کے لیے خاص خاص دلیلون کا اختیار کرنا ہی ضروری ہے تاکہ تقلید فی الدلیل کا رتبہ تقلید فی المدلول کے برابر ہو جائے گویا کہ اُنہون نے اسی غرض سے نقل کو ہر ایک اعتقاد کا رکن قرار دیا اور ایسا کیا بھی تہا تو کاش کسی معصوم کی نقل کو معتبر مانا ہوتا لیکن نہین اونہون نے عام طور پر نقل کو قابل اعتماد تسلیم کیا چاہے وہ ناقل غیر معروف ہی کیون نہ ہو جس سے اُن کے یہان یہ قاعدہ بنگیا کہ :- فلان عقیدہ اسلئے صحیح ہے کہ فلان مصنف کی فلان کتاب مین یونہی آیا ہے اور چونکہ کتابون کے اقوال لازماً ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہین اسلئے اب یہ بات سخت دشوار ہوگئی کہ کوئی شخص اپنے واسطے کوئی چہنا ہوا صاف اور ستہرا اور مستحکم غیر متزلزل عقیدہ قائم کر سکے۔ پڑھے لکھے مقلدین سے لیکر اُن کے جاہلون تک کے دماغون مین یہی خیال اور کلیہ بس گیا ہے اور اُن کی حالت بغور دیکہی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مشہور آدمی کے نام سے جو بات کہدی جاتی ہے وہ اُسپر فوراً یقین لے آتے ہین چاہے وہ شخص دراصل اہل علم مین سے بھی نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے کہ وہ سنی سنائی باتون پر ایمان رکہتے ہین اُن کے عقاید مین بہی ویسا ہی تناقض موجود ہے جیسا کہ سنی ہوئی باتون مین اکثر ہوا کرتا ہے۔

نقل پر اعتماد کرنے کی سہولت اور کاہلی نے آخر یہ روز بد دکھایا کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کی ڈالی ہوئی داغ بیل سے اور اُس شارع عام سے جو سیدھی منزل حق پر پہونچاتی تہی ہٹ جانا پڑا۔ نقل پر اعتماد تو سلف کرام بھی کرتے تہے لیکن نہ اس طرح کہ جس شخص سے جو بات سنین وہ بلا تامل و تحقیقات مان لین بلکہ پہلے وہ راوی و ناقل کی ذاتی حالت کی خوب چھان بین کرتے تھے پہر اُسکے قول کو معیار صداقت پر پرکہتے تہے۔ اور جب اس بات کا یقین کر لیتے تہے کہ مان وہ ناقل قابل اعتماد ہے تب کہین اُسکے قول پر

عمل کرتے تھے لیکن متاخرین کے جمود نے متقدمین سے نقل کرنے مین رطب و یابس کی کوئی پروا نہ کی اور بالکل بے اصول طور پر جسکو اپنے پندار مین اس بات کا اہل تصور کیا کہ اُس سے نقل کر سکتے ہین بے تامل نقل کر دیا۔ نہ کوئی بحث تھی اور نہ کرید۔ جسکی وجہ سے عام لوگون مین بہت سے لغو اقوال اور موضوع حدیثین شائع ہوگئین جنکا آج رونا رویا جاتا ہے یہ جس قدر بھی بدعتین پھیلی ہین انکا سرچشمہ وہی بد اعتقادی ہے جو تقلید اور جمود کی خرابی سے پیدا ہوئی کہ اگلون کے اقوال پر بغیر اسکے کہ اُنکے حالات کی تحقیق اور اُنکی صداقت کی جانچ کیگئی ہو اعتماد کر لیا اور عقائد کو ماننے مین عقل سے کام لیکر یہ بھی نہ دیکھا کہ آیا وہ کتاب اللہ اور سنت طاہرہ کے مطابق ہین یا نہین۔ اب مشکل یہ آپڑی ہے کہ ایک دینی غیرتمند ان عقائد کی بیخکنی کرنے مین سخت مشکل کا سامنا پاتا ہے پھر اُسکا ہتھیار محض کتاب مبین اور قرآن کریم ہے اور اُسکے دشمنون کے اسلحہ اگلے معروف اور غیر معروف دونون قسم کے اشخاص کے اقوال۔ لہذا بات بنے تو کیونکر اور کام چلے تو کس طرح؟ ۔

کسی شخص نے استاد علامہ شیخ جامع ازہر سے جنکا مرتبہ دینی علماء مین سب سے اعلے اور ارفع ہے۔ اُن اعمال کے متعلق سوال کیا جو یوم جمعہ مساجد مین ہوا کرتے ہین۔ شیخ موصوف نے سنت کے مطابق نہایت صحیح فتوی دیا کہ یہ عمل بدعت ہے اور دین کے واقفکارون مین سے ہر شخص یہی بات کہتا کہ یہ عمل بدعت ہے اور اس سے بچنا لازم۔ اب کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ فتوے پوچھنے والے نے اس قول پر عمل بھی کیا؟ ہرگز نہین۔ قیل و قال کا بازار گرم ہوا۔ اور ایک دوسرے سے بکثرت سوال کئے جانے لگے۔ کوئی کچھ کہتا تھا اور کسی کی رائے کچھ تھی۔ آخر حکمت عملی اور مصلحت سنت کا [illegible] بیچ مین آیا اور کہا گیا کہ زمانہ [illegible] کا سلوک سے ہم [illegible] پہلے اگلون کو [illegible] دیکھتے [illegible] پھر اسے کیونکر ترک کرین۔ اب بتلایئے اسکا کیا علاج ہے اور بیچارا مجیب بجز سکوت کے اس موقع پر اور کیا کر سکتا ہے بیشک یہ سب اسی جمود کی شامت ہے کہ اس نے عام لوگون اور اس شخص کے مابین بہت

بڑی حد فاصل قایم کردی ہے جو اُنکی خرابیون کی اصلاح اور اُن مین پھیلی ہوئی بدعتون کا
قلع قمع کرنا چاہتے ہین اسلامی حکومت یا دنیا کی سند ایسے لوگون کے ہاتھ مین دیدیا گیا ہے
جو علم دین اور آداب دین سے بہت ہی کم واقف ہین اور جنہون نے اُن عوام کے دلون
مین عقائد فاسدہ کی تخم ریزی کردی ہے جس سے آیندہ اور موجودہ قومین بجز برے
پھل کے عمدہ ثمر حاصل ہی نہین کرسکتین۔ اسی لیے اگر آج کوئی عالم اُٹھکر کتاب اللہ کے
صریح احکام اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرامین یا سلف صالحین کے
اجماعی اصول پیش کرتا ہے تو عام لوگ اُسکی مخالفت پر کمر باندھکر کہتے ہین "ہمنے تو
اپنے اگلے باپ دادون سے ایسی باتین سنی ہی نہین" اور آبائے اولین سے وہ لوگ
مراد ہوتے ہین جن کو انہون نے دنیا مین آنے کے بعد سے خود دیکھا ہے یا جنکا ذکر اور
لوگون کی زبانی سُنا ہے۔ لہذا عام مخلوق کی رہنمائی آج نہایت دشوار کام بنگئی ہے
اور جو شخص اسکی فکر کرتا ہے وہ ایک ناقابل برداشت بار اُٹھانا چاہتا ہے۔

غرضکہ عوام کی یہ حالت ہے کہ وہ خارج از دین باتون کو دین مین شامل سمجھتے
ہین اور دین کے محافظون پر اُنکی رہنمائی دشوار ہے کیونکہ اپنے اُستادون کی مہربانی سے
اُن کو جیسی تعلیم ملی ہے اُسپر مذکورہ بالا جمود کا اثر حاوی ہے نہ اُنہون نے خود سمجھکر پڑھا
ہے اور نہ دوسرون کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہین۔ آج غور سے دیکھو تو قوم کا بہت بڑا
حصہ اپنے رہنماؤن اور ناصحون کے قابو سے باہر ہوگیا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر وہ
ہادی اور ناصح چاہین تو پھر اُن اشخاص کو ہموار اور رام بنا سکتے ہین۔ حاملان شریعت کے
لیے یہ کوئی محال امر نہین ہان اسکے واسطے ضرورت ہے کہ وہ لوگ دین کی اُسی وسعت اور
آسانی کو واپس لائین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ کرام کے عہد مین تھی۔
پھر اسکے بعد دین کی حفاظت وحمایت پر کمر باندھ لین تاکہ آئندہ اُسمین کوئی خرابی نہ واقع
ہوسکے اور گذشتہ نقائص بتدریج زائل ہوجائین۔

جمود اور مدارس نظامیہ مین تعلیم پانیوالے طالب العلم۔

اس جمود نے ہم مین ایک نیا فرقہ اور بھی پیدا کردیا ہے جسکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہ فرقہ جدید تعلیم یافتہ جماعت ہے جس نے مغربی علوم وفنون کی روشنی سے اپنا دل و دماغ روشن کیا ہے اور اسی لئے وہ نئی روشنی کی پود کہلاتی ہے۔ ان مین ایسے بھی ہین جو خاص اسلامی مدارس مین تعلیم پاتے ہین۔ یا غیر اسلامی مدارس مین خود اپنے ملک وطن اور غیر ممالک مین بھی جاکر تعلیم حاصل کرتے ہین۔ روسی علاقہ جات۔ سمرقند۔ بخارا۔ اور ہندوستان کی جدید تعلیم یافتہ جماعت کے حالات سے مجھے پورا علم نہین لیکن اپنے ملک مصر اور ممالک ٹرکی وشام وغیرہ کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا تجربہ ایک عجیب وغریب مصیبت مین ڈال رہا ہے اسلام کی نرم مزاجی اور کشادہ دلی نے اپنے پیرودن کو اس بات کی عام اجازت دی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سرکاری یا غیر سرکاری مدارس مین بلکہ خاص ایسے مدارس مین بھی تحصیل علم کے لئے بھیجین جنکے قیام کی غرض ہی اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کی اشاعت ہے۔ اور جہان مسلمان اور دیگر مذاہب کے اساتذہ درس دیا کرتے ہین یا صرف غیر مذہب ہی کے اُستاد پڑھاتے ہین۔ اور اسی کے ساتھ جبتک اُنکے اعمال سے عقیدہ مین خرابی پڑتی نہ محسوس ہو یہ بھی مباح کردیا ہے کہ اُس وقت تک اُن کے کسی عمل سے اُن کو نہ روکا جائے اور اُن مدارس مین اُنکی تعلیم کو ناجائز نہ قرار دیا جائے۔

غیر قومی اور غیر ملکی مدارس کے طلبا کا جمود

اب اگر ایسے طلبا اُن غیر اقوام کے مدارس مین تحصیل علم کرتے ہین جن مین مذہب اسلام کی دینی تعلیم کا کوئی نام و نشان تک نہین ہوتا بلکہ اُسکی جگہہ کسی دوسرے مذہب کی تعلیم دیجاتی ہے تو اُن کے عقائد دینی مین ایک قسم کی کمزوری واقع ہوجاتی ہے اور بعض حالتون مین تو اُن کے عقائد بالکل فنا ہوجاتے ہین اور بجائے اُن کے دوسرے ناگوار اور بُرے عقائد دل مین جم جاتے ہین جسکی مثالین بکثرت موجود ہین۔ اگر اُن بچون کے ماں باپ کو اپنے

مذہبی عقائد کا ایسا علم ہوتا کہ بقاعدہ استدلال اُن عقائد کو بچون کے ذہن نشین کر سکتے تو ممکن تھا کہ ایسی خرابی نہ واقع ہوتی اور وہ لوگ اپنے بیٹون کے عقائد مین تزلزل نہ آنے دیتے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ مذکورۂ بالا جمود نے اُنھین اس کام کے قابل نہین رہنے دیا اور نہ اُنکے مرشد و رہنما علماء و مشائخ ہی اس قدر باخبر اور سمجھدار ہین کہ وہ اس نقص کی روک تھام کر سکین اس لئے کام بگڑتا اور ضرور بگڑتا ہے۔ +

غرضکہ یہ بھی ایک اسی جمود کی خطا ہے کہ جو مسلمان بچے غیر مذہبی مدارس مین تعلیم پاتے ہین وہ نامعلوم طریقے سے اپنے مذہب سے خارج ہو جاتے ہین اور اُن کو یا اُن کے ماں باپ کو اس بات کا ذرا بھی احساس نہین ہوتا کہ ایسا کیون ہوا۔ کاش اگر وہ لوگ مذہب کی جگہہ جیسا کہ بعض نادان اور ایشیائی قومون کی عادت ہے بیخبر اشخاص خیال کرتے ہین یا بعض ایشیائیون کے بدخواہ ایسی رائے قرار دیتے ہین۔ کسی اخلاقی اصول اور علم و حکمت کے احکام کو بداخلاقیون اور برائیون سے روکنے والا قرار دیتے تو یہی غنیمت تھا لیکن آفت تو یہ ہے کہ اس نئی تعلیم کے اثر نے اُن کے دلون کو بالکل آزاد اور نفس پرستی پر شیدا بنا دیا ہے جس مین بجز ضمیر کے جو فطرتاً انسان کو برائی سے روکتا اور نیکی کیطرف مائل کرتا ہے اور کسی روک ٹوک یا لعنت ملامت کرنے والے کا دخل نہین اور اسی لئے وہ نفس پرست تن پرور اور خواہشات انسانی کے شکار بنکر ہلاکت و بربادی کے غار مین گر رہے ہین جسکا مضرت رسان اثر قوم پر ظاہر ہو رہا ہے اور آئندہ مزید تو ضیح سے ظاہر ہوگا۔ آہ۔ میرے نزدیک بلاشک شبہ ایسی تعلیم سے جاہل رہنا ہزار درجہ بہتر تھا۔ اور کاش اسلام نے اس قدر کشادہ دلی سے کام نہ لیا ہوتا کہ وہ ایسی تعلیم و تعلم کی اجازت دیدیتا

سرکاری اور خانگی مدارس کے طلبا کا جمود۔

اب رہے وہ طلبا اور تعلیم پانے والے بچے جو اُن سرکاری یا خانگی مدارس مین تعلیم پاتے ہین جہان ہنوز دینی تعلیم کا کچھہ اثر باقی ہے اور کسی قدر مذہبی درس تدریس بھی شریک نصاب رکھی گئی ہے تو

یہ لوگ مختلف فنون کا کچھ علم حاصل کرکے اسرار کائنات اور نظام تمدن و معاشرت کے متعلق تھوڑی بہت معلومات بہم پہنچا لیتے ہین۔ پھر قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کو جو علم آتا ہے وہ ضرور اُسکے بارہ مین اپنی زبان کھولتا ہے اور خواہ مخواہ اُس علم کی اصطلاحات و مسایل پر غور و خوض اور گفتگو کرتا ہے اُسکی یہ باتین جس وقت اُن لوگون کے گوش زد ہوتی ہین جنھون نے اہل دین کا لباس پہن رکھا ہے مگر ہین دراصل جامد اور انھین الفاظ پر جمے ہوئے جو اگلے لوگون سے سُن رکھے ہین لہذا کوئی بات اپنی معلومات کے خلاف سُن کر سخت چراغ پا ہو جاتے ہین۔ اُن کو صحیح عقیدہ کے خلاف تصور کرتے اور اُن کے کہنے والے کو بے دین اور لامذہب کہنے لگتے ہین۔ اُدھر وہ نیا تعلیم یافتہ اپنی دلیل کے پُر زور ہونے مین شک نہین رکھتا اور دین کی طرف سے جاہل ہونا اُسکے دل مین یہ خیال جما دیتا ہے کہ اُسکا مقابل جو کچھ کہہ رہا ہے دینی احکام کے مطابق کہہ رہا ہے۔ بس یہہ سوچکر وہ دین کو بنگاہ نفرت دیکھنے لگتا ہے اور حال آنکہ یہ امر محض اُسکی جہالت اور جامد علما کے ناقابل تشفی جواب کا نتیجہ ہے۔

اور اگر ایسے تعلیم یافتہ لوگون سے کہا جائے کہ تم دینی کتابین دیکھہ کر اُن سے صحیح مذہبی اصول اور عقائد کا پتہ لگاؤ پھر تمکو اپنے طور پر اطمینان ہو جائیگا اور تم معترضون کو بھی جواب شافی دیسکوگے۔ تو اُنکو نہایت حیرت ہوتی ہے کہ کس کتاب کی جانب رجوع لائین اور اُسکی عبارتین کیونکر سمجھین کیونکہ اُن مین سخت پیچیدگی اور اُلجھن کے سوا جو موروثی طور پر چلی آتی ہے اور کوئی بات نہین۔ اسلئے وہ اور بھی نفرت کرنے لگتا ہے جو ایک سمجھنے کے خواہان کو ناممکن الفہم بات سے قدرۃً پیدا ہونی بھی چاہیئے۔

اِس خرابی کی وجہ سے اکثر جدید تعلیم یافتہ جماعت دین کو ایک غیر مفہوم چیز بلکہ بعض تو خرافات محض سمجھنے لگے ہین (نعوذ باللہ) وہ اُس سے پہلو تہی کرتے جاتے ہین اسلئے جہان تک دیکھا جاتا ہے اُن کے دلون مین ایک قسم کی پراگندگی اور انکی ہمتون

مین ایک طرح کی پستی داخل ہوگئی ہے جسکی وجہ سے اُن کی خواہشین بھی معمولی اشخاص کی طرح محض کسب معاش۔ یا علو جاہ کے حصول تک محدود رہتی ہین۔ پیٹ پالنے اور عزت و شہرت حاصل کرنے کے واسطے وہ ہر ایک جا اور بیجا راستہ پر چل نکلتے ہین۔ اور (جبتک اونکی ذاتی عزت بنی رہے) اس بات کا ہرگز خیال نہین کرتے کہ عام اور خاص ابنائے ملت کو اُن کے اس طرز عمل سے کیا ضرر پہونچیگا۔ اگر اُن مین سے کوئی شخص ہلکی ہمدردی یا قومی حمیت وغیرہ وغیرہ اُمور کا مدعی پایا جاتا ہے تو یہ محض زبانی جمع خرچ ہے ورنہ اس بارہ مین اُن کا مرجع نہ کوئی ثابت شدہ اصل ہے اور نہ کوئی صحیح علم۔ چنانچہ وہ اپنے ملک کے لئے جس طرح کی بہبودی اور خوشحالی کے طالب بنتے ہین بعض اوقات وہ ایسی بات ہوتی ہے جسکا انجام فی الحقیقت بُرا ہوتا ہے اور خود اون کو اسکا ذرا بھی احساس نہین ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہین۔ انہی لوگون مین سے بعض حضرات ایسے بھی ملینگے جو دین کا نام لیکر چیختے چلاتے ہین۔ مگر خود اونکی طبیعت احکام دین پر غور کرنے یا اُسکے کسی عقیدہ کو سمجھنے پر مائل نہین ہوتی بس باتین بنانی جانتے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ اُنکی اس کارروائی سے کوئی فائدہ نہین نکل سکتا بلکہ بُرے نتائج کا پیدا ہونا یقینی ہے کاش اگر مذکورہ بالا جمود نہ ہوتا تو ایسے لوگون کو اپنی دینی کتابون مین اور حاملان دین کے اقوال مین اس قسم کی بہت سی باتین مل سکتی تھین جو اُنکے غنچۂ خاطر کو شگفتہ کر دیتین اور انہین اسلام کا سچا فدائی بنا دیتین اونکو علم کا بھی لطف آتا اور اسکے ساتھ ہی دین کا بدرقہ بھی مزہ دیتا۔ وہ خود اپنے تئین اور اپنی قوم دونون کو نفع پہونچاتے اور اُن مین سے ایسے افراد نکلتے جو قومی اطوار۔ قومی خیالات کی رفتار۔ قومی اعمال۔ اور قومی طرز معاشرت کے بہترین نمونے بلکہ رہبر ہوتے۔ +

جمود ایک علت ہے جو زائل ہو جائیگی

اس جمود کے نقصانات کی تفصیل ایک ضخیم کتاب کی محتاج ہے اس لئے ہم مذکورہ بالا مختصر بیان پر اکتفا کرکے اب یہ بتانا چاہتے ہین کہ یہ جمود ایک مرض ہے جو مسلمانون کو کچھہ عرصہ سے لاحق ہو گیا ہے اور خدا چاہے تو اسکا زوال ممکن ہے ۔

پہلے جو کچھہ حالات دین اسلام کی بلیّت کے ہم نے بیان کئے ہین اُن کے مطالعہ سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اُسکا رتبہ اس بات سے بالاتر ہے کہ ایسے جمود کو اسکی طرف منسوب کیا جا سکے جیسا کہ جمود کا مرض سر دست مسلمانون مین موجود ہے ۔ اور ہم یہ بھی دکھا چکے ہین کہ کتاب الٰہی مین بیشمار آیتین اس طرح کی موجود ہین جو باپ دادا کی کورانہ تقلید سے منع کرتی ہین چاہے وہ لوگ کیسے ہی معزز اور عالی رتبہ ہے ہون ۔ یا کیسے ہی نیک و فرشتہ سیرت پائی گئے ہون لیکن خداوند کریم نے ہمین اُن کی پیروی کرتے ہین سمجھہ بوجھہ سے کام لینے کا حکم دیا ہے اور اُن نصوص کے اعادہ کرنے کی یہان ضرورت نہین ۔ پھر ہم نے بعض ایسے اسباب بھی بیان کر دیئے ہین جو مسلمانون پر نہ کہ اسلام پر اس جمود کی بلا نازل کرنیکا باعث ہوئے اور اس بدعت کے جاری کرنے والے یا تو مسلمانون کے دشمن جان تھے جو اُن کی ذلت و بربادی چاہتے تھے ۔ اور یا اُن کے نادان دوست جو شر کو خیر سمجھکر کرتے رہے اور ان دوسری قسم کے لوگون سے بے انتہا ضرر پہنچا ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ مرض زائل ہو جائے گا اور کیا اسکے زوال سے اسلام پھر اپنی اُسی اگلی وسعت و فیاض دلی دکھا سکے گا جو کبھی اُس نے دکھائی تھی ۔ اور پھر اپنے پیرودن کو بام عزت و ترقی پر چڑھا سکیگا

قرآن کریم اور کتاب مبین مین آیا ہے :- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

بیشک ہم نے نازل کیا ہے ذکر (قرآن) کو اور ہم ہی اُسکے محافظ بھی ہین ۔ یہ ذکر، ذکر حکیم اور قرآن کریم ہے جسکی محکم اور مفصل آیتون کی تحکیم و تفصیل علیم و خبیر خدا کی جانب سے ہوئی ہے اور جیسا کہ خود پروردگار عالم فرماتا ہے :- "کِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيَاتُهٗ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ" ۔

ایسی کتاب ہے جسکی آئتین جاننے والون کے لئے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہین چنانچہ
جس طرح خداوند پاک نے اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا اُسے پورا بھی کیا اور
آجتک کسی قاتل دشمن کا ہاتھ اس ذکر مقدس کو نہین لگنے پایا۔ اور نہ کوئی نادان دوست
اسپر کچھہ دست درازی کر سکا قرآن کریم یوم نزول سے آجتک اُسی ایک حالت پر باقی
ہے اُس مین کسی لفظ بلکہ نقطہ تک کا بھی تغیر و تبدل نہین ہوا اور اُسکی تفسیر یا تاویل مین دو
مخالف فریقون کا عمل اُسے بالذات کوئی ضرر نہین پہنچا سکتا۔ اُسکی عبارت بجنسہ بغیر کسی
اختلاف و اضطراب کے مصاحف کی دفتیون مین محفوظ چلی آتی ہے وہ پرہیزگارون
اور خداترسون کا امام اور دین کا مخزن ہے۔ اہل دین پر جب کبھی مصیبت پڑے اور
وہ گمراہیون مین بھٹکے پھرنے سے تنگ آکر راہِ راست کے متلاشی ہون تو یہی کتاب الٰہی
انکا مرجع اور ماوٰی ہے۔ گو خودغرض اور باطل پرست لوگون نے اُسکے منور فانوس کو صدہا
بدعات و خرافات کے تاریک پردون مین چھپا رکھا ہے لیکن اُسکی نور بار کرنین اُن پردون
سے چھن چھن کر دنیا پر اپنی روشنی ڈالنے سے باز نہین آتین۔ اور انشاءاللہ وہ زمانہ عنقریب
آنے والا ہے کہ وہ تمام پردے اور رکاوٹین انصار قرآن کریم کے زبردست ہاتھون سے
پھاڑ چیر کر دور کر دیئے جائین گے۔ اور کتاب مبین کی مصفا روشنی اپنے دوستون کے
سامنے بے حجاب ہو کر جلوہ دکھائیگی۔

اِس تاریکی کے زمانہ مین بھی جو آج سے چند صدیون قبل شروع ہو کر اس وقت تک
چلا آتا ہے وقتاً فوقتاً قرآن کریم کا نور حجاب ہائے بدعت کو پھاڑتا ہوا اکثر سلیم الفطرت اور
صاحب بصیرت لوگون کے دلون پر اپنی شعاعین ڈالتا رہا اور وہ لوگ خود راہِ راست پاکر
دوسرون کو بھی گمراہی سے بچانے مین کوشان ہوئے لیکن قوم کا بیشتر حصہ جہالت و ادبار
کی تاریکی مین پڑا تھا اور سیاہ باطن خودغرض لوگون نے اُسکو اپنے دام تزویر مین ایسا اُلجھا لیا
تھا کہ اُن معدودے چند مردانِ خدا کی صدا نقار خانہ مین طوطی کی صدا بنگئی اور اسکی بہت کم شنوائی

ہوئی جس سے جمہور عظم مسلمانون کو شرک و بدعت اور ادبار و فلاکت کے چکر سے نکلنا نصیب نہ ہو سکا اور آجتک وہ اُسی مین پڑے ہوئے ہین۔ یہ لوگ نام کے مسلمان ننگ اسلام اور اپنے دین کو دشمنون کے تیر ملامت کا ہدف بنانے والے ہین۔ انکو اسلام کے دایرہ مین داخل سمجھنا ہی غلطی ہے۔ اِس قسم کے لوگون پر ضرور وہی آفت آیگی جو ان سے پہلے سنت اللہ کی نافرمانی کرنے والی قومون پر آچکی ہے کیونکہ یہ بھی اُنہی کے قدم بقدم چل رہے ہین اور یہ ایک لازمی امر ہے کہ جو قوم مستوجب عذاب بننے والی اور ہلاک شدہ قومون کے نقش قدم کی پیروی کرے گی وہ ضرور تباہ و ہلاک ہوگی۔ قرآن کریم نے اسی لئے اگلی قومون کے عبرتناک حالات بکثرت اور بار بار سنائے ہین کہ مسلمانو انکو سنو اور گوش ہوش کو منبہ غفلت سے پاک کرو تاکہ تمہاری سمجھ مین آسکے کہ شریعت کے جادۂ مستقیم سے انحراف کرنیوالے والے اور سنت الٰہی کی راہِ راست کو چھوڑ کر اُن سے ٹیڑھے چلنے والے اور اپنی آسمانی کتاب کے احکام کو پس پشت ڈالدینے والے ہمیشہ برباد ہوتے رہے اور آیندہ بھی تباہ و غارت ہون گے۔ مسلمانو! اب بھی اپنی حالت پر نظر ڈالو۔ تم کیا تھے اور کہان تھے؟ لیکن اب کیا ہو گئے۔ اور کس جگہ اُتر آئے؟ دیکھو جن لوگون کی تم نے پیروی کی اُنپر کیا گذر چکی ہے اور تم پر اسوقت تک کیا گزری ہے۔ اگر اتنا ہی سمجھ سنبھالے لو تو ابھی بہت کچھ ہو سکتا ہے ورنہ قرآن کریم کا رکار کہہ رہا ہے کہ سنت الٰہی اور قانون قدرت ہرگز تغیر پذیر نہین۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا

اِن خواہ مخواہ اسلام کی جانب منسوب ہونے والون پر بھی طرح آفتون کا نزول اور عذاب الٰہی کے آثار کا ظہور ہوتا رہا تو یہ ضرور خواب غفلت سے چونک پڑین گے (اور جانکنی کے عالم سے تو انہین اب بھی افاقہ ہو گیا ہے) اور گھبرا کر نجات کی تلاش مین دوڑین گے۔ آنکھون کو بدعات و محدثات کی آلودگی سے صاف کرین گے تو اُس وقت اُن کو قرآن کریم کا نور دکھائی دیگا جو شاہ راہِ ہدایت کے سرے پر خالق عالم کے حکم سے چمک رہا ہے اور آفت ضلالت و ادبار مین مبتلا قومون کے لئے خلاصی و نجات کے وسائل اپنے پاس لئے ہے۔ پھر قرآن

کریم اُن کو اپنی راہ پر چلانے کے لیئے روح القدس کی تائید اُنکی رفیق بنائیگا اور اُنہین علم و عمل کے منافع کی بے خطر سڑک پر لے چلیگا۔ علم کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے ہی مسلمانون کی عقل و فہم جاگ اُٹھے گی وہ اپنے آپ کو بخوبی پہچان لینگے کہ وہ کیا ہین اور اُن مین کس قسم کی قوت پوشیدہ ہے پھر تو مسلمان ہون گے اور باہمی تعاون کی سرگرمی۔ سب کے سب بلا روک ٹوک ترقی اور عظمت کے زینون پر چڑہنا شروع کر دین گے اور اپنا کھویا ہوا خزانۂ علم و ہنر یا اپنی ضائع شدہ سرسبزی و عظمت پھر حاصل کر لینگے۔ اسی بناء پر مین کہتا ہون کہ:۔ اسلام نے کبھی مدنیت کے راستہ مین سنگ راہ بننا نہین چاہا لیکن وہ زمانہ ضرور قریب ہے جبکہ اسلام مدنیت کے تمام نقائص دور کر کے اُسکو بالکل سُتھری اور پاکیزہ بنا دیگا اور جس وقت مدنیت اسلام کی خوبیون سے واقف ہوگی وہ خود اُسکی دلدادہ اور معین و ناصر بنجائے گی۔ غرضکہ یہ جمود اور پستی جو آج مسلمانون کو لاحق ہے انشاءاللہ عنقریب زائل ہوکر رہیگی اور ہمارے اس دعوی کی سب سے بڑھکر زبردست دلیل یہ ہے کہ کتاب اللہ اُسکے سوء حال کی شاہد موجود ہے اور خدا کی عنایت ایسے لوگ بکثرت پیدا کرتی جاتی ہے جو اُسکی کتاب پر غور و تدبر کرنے اور اُسکی نصرت کرنے کے لیئے آمادہ ہوتے جاتے ہین۔ اِن لوگون کی دعوت اب عام ہو رہی ہے اور حادثات زمانہ اور خداوند قہار کا وہ عذاب جو اہل جمود پر نازل ہو رہا ہے اُنکی دعوت کی تائید و تصدیق کا فایدہ دے رہے ہین۔

یہ کتاب مجید جسکے پیچھے پیچھے علم و ہنر ہر چار دانگ عالم مین جایا کرتا تھا ضرور ہے کہ دوبارہ اپنی روشنی پھیلائے اور ضلالت کی تاریکیان دور کر کے مومنین کے دلون کو اپنی نورانی شمع کا فانوس قرار دے اور علم اُسکا تابع ہو کیونکہ کتاب اللہ کا سچا دوست اور متفق علیہ ساتھی اگر کوئی ہے تو یہی علم و ہنر ہے۔

پست ہمت اور جامد مسلمان بھی بعض کیا اکثر اوقات اعدائے قرآن کی طرح یہ کہنے لگتے ہین کہ:۔ اب زمانہ خاتمہ پر آگیا قیامت نزدیک ہے لوگون مین جو خرابیان پھیل گئی ہین اور دین

مین جو نقص وخلل آگیا ہے یہ سب باتین دنیا کے آخری وقت اور بڑھاپے کی
علامتین ہین۔ ایسی حالت مین اصلاح کی کوشش کرنا یا کوئی عمل کرسکنا غیر ممکن اور
غیر مفید ہے۔ بس اب فنا ہوجانے کے سوا اور کسی بات کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ اور
(نعوذ باللہ) یہ جہالت کے پتلے اور یاس کے مددگار وہ باتین کہتے ہین جنکا انہین کوئی
علم نہین۔ انہون نے کیا زمانہ کی حالت معلوم کرلی ہے جو اس بات کو بھی جان
گئے کہ اب اوسکے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے؟ اگر ہم دیکھین تو ہمارے زمانہ اور مبداء
اسلام کے مابین اب تک صرف تیرہ سو بیس سال گزرے ہین اور یہ ساری مدت ایام اللہ
کے حساب سے ایک دن سے کچھ زائد یا ایک ہی دن کا کوئی جزو ہوتی ہے۔ عالم کائنات
مین خدا کی نشانیان اگرچہ اس بات پر دلالت کرتی ہین کہ خلقت عالم پر جس قدر مدت گزر
چکی ہے وہ بیحساب زمانہ ہے تاہم آنہی آیات سے یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ ابھی اس عظیم الشان
نظام کا جتنا حصہ باقی ہے اسکا کوئی اندازہ نہین لگا سکتا۔ فَمَا لِهٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا۔ سمجھ مین نہین آتا کہ یہ وہم پرست حضرات کیسی باتین کرتے ہین
ہمارے اور مبداء اسلام کے مابین کا زمانہ پچاس سال فی کس اوسط عمر کے حساب سے
محض چھبیس ۲۶ آدمیون کی زندگی کا زمانہ ہے۔ اور کیا اتنا ہی زمانہ اسلام کے ایسے دین عام
کی نسبت سے دہر طویل شمار کیا جاسکتا ہے؟ ہمارے خیال مین تو اتنی مدت اوسکے اس قدر
ترقی کرنے کے لیئے کافی نہین۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کافی نہین ہوئی۔ کہ تمام دنیا کی انسان
اوسکے نور ہدایت سے فیضیاب ہوجائین اور قیامت دین پر تو نہ آئے گی۔ ہان یہ ممکن ہے کہ
ایسے باطل پرستون اور خود غرضون کی شرارت وطمع پر قائم ہو۔ خدا نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ
وہ اپنے نور کو مکمل فرمائیگا اور اوسے تمام ادیان پر فتح وظفر دیگا چنانچہ اس وعدہ کے مطابق
کچھ دنون دین اسلام عقاید باطلہ پر فتحیابی اور حصول کمال کے راستہ مین قدم زن رہا
اور اسکے بعد پیروان مذہب اسلام ہی نے اوسکو سیدھے راستہ سے منحرف کردیا اور اس

بُری راہ پر لگا لیگئے جیسے آج وہ خود اور ہم بھی بخوبی دیکھتے ہین۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جبتک خدا کا وعدہ پورا نہ ہولیگا کہ دین اسلام کو پوری کامیابی حاصل ہو اور وہ علم کی دستگیری کرکے اُسے عقل اور وجدان کے راہ راست پر لگانے مین اپنا قوت بازو نہ بنالے اُس وقت تک قیامت ہرگز نہین آئے گی۔ اور جبکہ دین اور علم دونون ایک دوسرے کے معاون بنکر کام کرین گے اور عقل کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ ہوجائیگا تو پھر وہ اُن خدا کی عطا کی ہوئی قوتون کا درست طور پر استعمال کریگی اور جہان تک ہوسکیگا اسرار کائنات کو حل کریگی۔ یہانتک کہ جب عظمت وجلال خالق جل شانہ کے انوار جلال اُسکے سامنے جلوہ گر ہوجائینگے تو وہ سر نیاز جھکا کر تحقیق و تفتیش سے باز آجائے گی اور اُن راسخین فی العلم کے درجہ پر جا ٹھہرے گی جن کے بارہ مین امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے یہ قول مروی ہے:۔

هم الذين اغناهم عن اقتحام السدد المضروبة دون الغيوب الاقرار بجملة ما جهلوا تفسيره من الغيب المحجوب فمدح الله اعترافهم بالعجز عن تناول ما لم يحيطوا به علما وسمّى تركهم التعمق فيما لم يكلفهم البحث عن كنهه رسوخا"

"وہی ایسے لوگ ہین جنکو غیب محجوب کی نا ممکن الفہم باتون کے نہ سمجھ سکنے کے اقرار نے اُنہین پردہ ہائے غیب کو اُٹھا سکنے سے بے پروا بنا دیا ہے اسی لئے جس چیز کو معلوم کرنے سے عاجز ہونیکا اُنہون نے اقرار کیا ہے خدا نے بھی اس بارہ مین اُنکی مدح فرمائی اور جس چیز کی کنہ دریافت کرنیکی اُنکو تکلیف نہین دیگئی ہے اُسمین ترک غور و فکر کرنیکا نام خداوند کریم نے رسوخ رکھا ہے"

پھر اسکے بعد اُنہون نے اس حالت کی تعبیر اپنے اس قول سے فرمائی ہے:۔

فاقتصر على ذلك ولا تقدر عظمة الله سبحانه على قدر عقلك فتكون من الهالكين هو القادر الذي اذا ارتمت الاوهام لتدرك منقطع قدرته وحاول الفكر

"اس لئے تجھے لازم ہے کہ اسی امر پر اقتصار کر اور خداوند سبحانہ وتعالی کی عظمت کا اندازہ اپنی عقل کے مطابق نہ لگا ورنہ تو ہلاک ہوگا وہ ایسا قادر ہے کہ جب اوہام اُسکی بے پایان قدرت کی حد تلاش کرتے ہین۔ اور

المبرأ من خطوات الوسواس ان يقع
عليه في عميقات غيوب ملكوتيته و
تولهت القلوب اليه لتجري في كيفية
صفاته وغمضت مداخل العقول
في حيث لا تبلغه الصفات لتناول
علم ذاته ردعها وهي تجوب مهاوي
سدف الغيوب متخلصة اليه سبحانه
فرجعت اذ جبهت معترفة بانه لا ينال
بجور الاعتساف كنهه ولا تخطر ببال
اولي الرويات خاطرة من تقدير
جلال عزته"

وسواس سے مبرا اگر اُسکے ملکوت کی مخفی باتون کی تہ
معلوم کرنیکا ارادہ کرتا ہے۔ قلوب اُسکی کیفیت صفات
کے انکشاف مین مشغول ہوتے ہین اور عقل کے مداخل
اُس سمت مین ناپدید ہوجاتے ہین جدہر صفات کے ذریعہ سے
علم ذات تک پہونچنا دشوار ہے۔ تو خود پروردگار عالم
اُن عقلون کو ظلمات غیب مین قدم زن ہونے سے روک
دیتا ہے اور وہ یہ اعتراف کرتی ہوئی اس ارادہ سے
باز آجاتی ہیں کہ یہ راہ چلکر اُسکی کنہ ذات معلوم کرسکے
اور وہ سمجھ جاتی ہے کہ انسان ہرگز خدا کے جلال و
عزت کا کچھ بھی اندازہ نہین کرسکتا"۔

ایسے موقع پر عقل وجدان صادق یعنی قلب کے ساتھ ہوجائیگی اور قلب بشرطیکہ وہ سلیم ہو اور دین سے صحیح نور ہدایت حاصل کرچکا ہو اپنے حدود مملکت کے اندر عقل کے ساتھ چلنے مین کبھی پیچھے نہ رہیگا۔ بعض سادہ لوح اشخاص نے غلطی سے یہ اعتقاد دل مین جما رکھا ہے۔ کہ فطرت اور عزیزت کے مقتضی سے عقل اور قلب کی روش مختلف ہے مگر یہ بالکل غلط خیال ہے کیونکہ عقل اور دل کے مابین تخالف اُسی وقت پڑتا ہے جبکہ نفوس پر روحانی امراض وعلل کا غلبہ ہو ورنہ تقریباً تمام دانشمند لوگون کا اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ حس باطنی (یعنی وجدان یا قلب) کے مشاہدات ہی برہان عقلی کے مبادی ہین مثلاً تمکو اپنے موجود ہونے اپنے رنج وغضب، لذت والم اور اپنے سرور وغیرہ کا جو کچھ احساس ہوتا ہے اسکا تعلق براہ راست دل ہی سے پایا جاتا ہے جسکو اصطلاح مین وجدان کہتے ہین ہمکو عقل اس لئے دی گئی ہے کہ اسکے ذریعہ سے انجام بینی۔ اسباب ومسببات پر غور۔ اور بسائط ومرکبات

مین فرق کرنے کا کام لین۔ اور دل اس واسطے ملا ہے کہ اُسکے وسیلہ سے نفس و ذات مین حادث ہونے والی لذتون اور المون کا ادراک کرین۔ اور اضطراب و اطمینان وغیرہ بیشمار انسانی احساسات کو محسوس کرسکین۔ لہذا یہ دونون یعنی عقل اور قلب نفس کی دو آنکھین ہین جنکے ذریعے سے وہ دیکھتا ہے۔ دل کی آنکھ صرف قریب کی چیزون پر نگاہ ڈال سکتی ہے اور عقل کی آنکھ دور تک دیکھنے مین کام آتی ہے۔ اور نفس کو بہرحال ان دونون آنکھون کی ایک ساتھ ضرورت ہے اور جبتک وہ دوسری سے بھی پورا نفع نہ اُٹھا سکے صرف ایک ہی آنکھ اُسکے کسی کام نہین آسکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم صحیح وجدان کا متمم ہے۔ اور وجدان سلیم علم کا سب سے بڑا اور زبردست مددگار دین کامل علم و ذوق عقل و قلب۔ برہان و اذعان۔ اور فکر و وجدان۔ کا نام ہے۔ اسلیے اگر کوئی دین ان دو امرون مین سے کسی ایک ہی امر پر اقتصار کرے تو اُسکا ایک بازو ٹوٹ جائیگا اور یہ کبھی مشکل ہے کہ وہ دوسرے رکن کو قائم رکھ سکے عقل اور وجدان مین اُسوقت تک کبھی تخالف نہین ہوسکتا جبتک کہ ایک انسان کے دو انسان نہ بنجائین اور ایک وجود کے دو وجود نہ ہوجائین۔

کبھی ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ تمہاری عقل کسی کام مین نقصان کا ادراک کرتی ہے لیکن تم اپنے دل سے مجبور ہوکر وہ کام کرتے ہو۔ اور بسا اوقات تمہین کسی کام مین فایدہ کا یقین ہوتا ہے مگر اپنی دلی رکاوٹ سے عاجز آکر تم اُس کام کو نہین کرتے اس حالت مین تم کہوگے کہ :۔ ”یہ امر عقل اور وجدان کے تخالف پر دلالت کرتا ہے“ مگر ہم کہتے ہین کہ یہ حجت اس شخص کی طرف سے پیش کیجاتی ہے جو نہ اپنے نفس کو جانتا ہے اور نہ غیر کو پہچانتا ہے تمکو لازم ہے کہ ذرا اپنے نفس کیطرف متوجہ ہوکر دو باتون کی تحقیق کرو یا تو یہ بات ہوگی کہ تمہارا یقین دراصل خود تمہارا اصلی یقین نہین بلکہ وہ ایک صورت ہے جو کسی دوسرے شخص کے کہنے سے تمہارے دل پر عارض (لاحق) ہوگئی ہے۔ اور تم اُسے

علم گمان کرتے ہو لیکن دراصل وہ علم نہین۔ اور یا یہ بات ہوگی کہ تمہارا وجدان ایک وہم ہو جو تمہاری ذات مین بخوبی جم گیا ہے۔ یا ایک عادت ہے جس نے تمہاری رگ و پے مین جڑ پکڑلی ہے وہ ہرگز وجدان صحیح نہین البتہ وہ ایک عادت ہے جسے تم نے اپنے گرد و پیش کے لوگون اور حالات سے وراثتہً پایا ہے اور غلطی سے یہ گمان کر بیٹھے ہو کہ وہ ایک شعور ہے جسکا منبع تمہاری فطرت ہے حالانکہ یہ کوئی بات نہین۔ +

نتیجہ غرضکہ یہ ضروری اور ہونے والی بات ہے کہ دنیا مین انجام کار علم و دین کا بھائی چارہ قایم ہوگا جو قرآن کریم اور ذکر حکیم کی سنت ہے۔ اور تمام دنیا کے انسان علم سے بہرہ ور ہوکر اس حدیث صحیح کے مضمون پر عمل کرین گے کہ "تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ" یعنی خدا کی مخلوقات مین غور و فکر کرو مگر اوسکی ذات مین نہ کرو۔ بس جب ایسا وقت آئیگا تو اگرچہ کفار اور ناشکرے انسان اس سے کتنے ہی جلین بھنین لیکن خداوند کریم اپنے نور کو ضرور مکمل اور تام فرمائیگا اور ناامید و یاوس جامد اشخاص بھی اسی کا اتباع کرین گے۔ اس زمانہ کو دور نہ سمجھنا چاہیے بس اسکے لئے اتنی ہی مدت درکار ہے جسکی ضرورت غافلون کو خواب غفلت سے جگانے۔ جاہلون کو تعلیم دینے۔ اور حزابیون کو سدھارنے مین ہوتی ہے۔ اور یہ تدریجی رفتار سنت الٰہی کا اقتضاء ہے۔ "سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا" "اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرَاهُ قَرِيْبًا" "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" "وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِيْنَ"۔

یورپ مین بحالت موجودہ علم کی حریت۔ اور اسلام کی ماضی و حال سے اسکی نسبت

اب ہمکو صرف رسالہ الجامعہ کے چوتھے اعتراض پر گفتگو کرنا باقی رہگیا ہے اور وہ اعتراض یہہ تھا کہ۔ علم و فلسفہ نے یورپ مین مسیحی روک ٹوک پر غلبہ حاصل کرلیا۔ مگر وہ اسلامی اضطہاد پر غالب نہین آسکا ہے اور یہ بات ایک واقعی دلیل ہے جو واضح کرتی ہو کہ مذہب نصرانیت فلسفہ کے ساتھ بہت زیادہ آسانی کرنیوالا تھا۔ میری نزدیک یہ بات

سخت مشکل ہی کہ ایڈیٹر الجامعہ سا فاضل شخص جو یورپین زبانون کا عالم اور اہل یورپ کی
اُن تحریرون پر بخوبی مطلع ہے جو اُنہون نے اس اہم تاریخی مسئلہ کے بارہ مین لکھی ہین
باوجود اسکے کہ دونون آنکھون سے حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ پہر ایسی بے سرو پا بات کہے۔ البتہ
یورپ کی موجودہ حالت کو بنظر پسندیدگی دیکھنے کی وجہ سے اُسکے دل و دماغ پر کچھہ ایسا
اثر حاوی ہوگیا ہے کہ بے اختیار اُسکے قلم سے ایسی باتین نکل گئین۔ ع

از کوزہ ہمان برون تراود کہ درواست

سچ ہے کسی چیز کی محبت انسان کو اُسکے عیوب کیطرف سے اندھا بنا دیتی ہے ہم کہتے
ہین :۔ اگر زبردست کا ڈھینگا سر پر ہوتے ہوئے دبکر کوئی بات مان لیجائے تو اسی درگزر
اور احسان کہنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ مجبوری بُری بلا ہے زبردست کے سامنے کوئی
بس نہین چلتا۔ جناب بابا (پوپ روم) کا شاہ اٹلی کے ساتھ ایک شہر مین رہنا اور دو بہت
بڑے پائے تختون کا ایک ہی مقام مین جمع ہوجانا کوئی ایسی بات تو ہے نہین جو راضی
خوشی منظور کر لی گئی ہے یا مقدس پوپ نے ملک کے ساتھ اس طرح کوئی احسان کیا ہے!!
انصاف کے معنے تو یہ ہین کہ اس حالت کو ملکی حکمران کی عنایت کہنا چاہیئے کہ اُس نے مقدس
پوپ کے ہاتھ مین دینی اختیارات کی باگ رہنے دی ہے ورنہ جس طرح فوجی اور مالی طاقت شاہ
اٹلی کے قبضہ مین ہونے سے اُس نے پولیٹکل اور سیاسی اُمور اپنے قبضہ اقتدار مین لے
رکھے ہین ویسے ہی مقدس پوپ کی برائے نام عزت و عظمت بھی وہ چھین سکتا تھا۔ آج
یورپ مین دین و مذہب کی جو قابل رحم حالت ہو رہی ہے اُسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا
ہے کہ وہان مذہب کا وجود باقی رکھنا یا اُسکا نام قایم رہنے دینا محض علم کی مہربانی اور درگزر
کا نتیجہ ہی ورنہ جس طرح علم و فن کے غلبہ نے ملکی اُمور اور نظام تمدن کی باگین اپنے قابو مین
کر لی تہین ممکن تھا کہ وہ مذہب کو کبھی حالت موجودہ سے بڑھکر وبال لینا اور پہر اس علیحدہ بنا ہی لیتے

یورپ کی مدنیت کا اسلام سے مقتبس ہونا اور اسکو پوری طرح ظہور کرسکنے کے اسباب

پہلا سبب انجمنیں اور مجلسیں ہیں

یورپ مین علم و دین کے مابین نہایت سخت جنگ ہوتی رہی۔ اور علم کی نصرت و اعانت کے لئے بہت سی انجمنین قایم ہوئین جنمین سے بعض خفیہ طور سے قایم کی گئین تاکہ قوت حاصل کرلینے کے بعد کھل کھیلین اور بعض انجمنین شروع ہی سے کھلم کھلا قایم ہوئین پہلے پہل دین کے اعوان و انصار کی کثرت یورپ مین علم و ہنر کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے سکی یہان تک کہ سرزمین اندلس کے آسمان سے آداب محمدی کا آفتاب چمکا اور عربی علوم کا نور دنیا مین پھیلنا شروع ہوا۔ ان دونون روشنیون نے اہل یورپ کو اپنی روشنی سے منور بننے اور اپنی ترقی و مدنیت کے شاہراہ پر چلنے کے لئے آمادہ پایا۔ یہ استعداد اور آمادگی کیونکر پیدا ہوئی تھی؟ اسلئے کہ یورپ یا مسیحی دنیا مین دینی پیشواؤن نے اپنی حکومت اور اپنے زور وقت کا ایسا سکہ جمالیا تھا کہ انہون نے عقل اور وجدان کے لئے بھی انکی فطری حریت سے استفادہ کرسکنے کی راہین بند کردی تھین اور انکو اپنا غلام بنا رکھا تھا یہان تک کہ بمقتضائے فطرت یہ حالت ناقابل برداشت معلوم ہونے لگی اور انسانی شعور و احساس اس قید عبودیت سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ اسلامی علوم اور محمدی آداب کی روشنی دنیا مین چمک چکی تھی جسکو تمام انسانون نے مشعل راہ بنایا اور تمدن و تہذیب کی شاہراہ پر چلنے کیلئے قدم بڑھایا۔ پھر تو مذہب مسیحی کے اصحاب حل و عقد کو جوش آجانا ایک لازمی امر تھا دینی پیشواؤن نے علم و ہنر کے شیدائیون کو زندہ آگ مین جلانے۔ بے خانمان بنانے۔ اور حکومتون سے خونریز مقابلے کرنے پر کمر باندھی۔ کسی کی آزاد خیالی کی ذرا بھی بھنک انکے کانون مین پڑی اور وہ شخص شکنجۂ عذاب مین کس دیا گیا۔ ادنی سے لیکر اعلی باتون تک ہر امر مین دین کے نام سے انواع اقسام کی خرابیان ڈالی گئین شہر پیرس کی سڑکون پر پتھرون سے چوکہ بندی کرنے کا انتظام کیا گیا اور اندلس کے شہر قرطبہ کی وضع پر یہان کی سڑکین بنائے جانے کی

بھی تجویز ہوئی۔ اور اسی طرح اس بات کی بھی ممانعت کی گئی کہ ایسے شارع عام پر سور روکے نہ پالے جائیں بس اتنی سی بات پر سینٹ انطوان کے پادری بگڑ گئے اور انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ امر ضروری ہے کہ سینٹ کے سور بدستور اگلی آزادی کے ساتھ سڑکوں پر ہو کر گذریں گے۔ ایک عجیب شور وغل مچگیا اور حکومت کو مجبورًا اپنا حکم واپس لیتے ہی بنی۔ ورنہ شاہ "فلپ" کے گھوڑے سے گر کر مر جانے کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ سڑکوں پر گذرنے والے سوروں کے گلوں میں گھنٹیاں نہ باندھی جایا کریں جنکی صدا سے اس بادشاہ کا گھوڑا بھڑک اٹھا تھا اور وہ پشت زین سے گر کر مر گیا۔

دوسرا سبب دینی سخت گیری تھی علم کی شدید حاجت اور اسکی اشاعت پر دینی پیشواؤں کی روک ٹوک۔ ان دونوں باتوں نے طالب علموں کے دلوں میں شوق و جوش کی کچھ ایسی آگ بھڑکا دی تھی جو کسی طرح فرو نہیں ہو سکی اور انہوں نے مخفی اور نامعلوم طور پر اندرونی کوششوں سے علم و کمال حاصل کیا بہت سی اس طرح کی حقیقتیں دریافت کریں جو عام لوگوں کے لئے سودمند ہوئیں اور عام انسانی عقلیں ان حقایق کیطرف مائل ہونے لگیں۔ پھر تو فرقہ علما اور دینی پیشواؤں کی جماعت میں جنگ چھڑ گئی۔ کبھی اسے فتح ہوتی تو کبھی اُسے یہانتک کہ آخر کار دینی اصلاح کا مدعی فرقہ پروٹسٹنٹ ظاہر ہوا۔ اور حامیان علم کا گروہ اس خیال سے اُنکا ساتھی بنگیا کہ غالبًا یہ لوگ علم و ہنر کی اشاعت میں ہمارے ساتھ ہو کر کوشش کرینگے۔ ان علم دوست اصحاب میں سے ایک مشہور شخص "ایراسم" نامی بھی تھا مگر جب پروٹسٹنٹ لوگوں کو کامیابی حاصل ہوئی اور انکی حکومت وسلطنت کی بنیاد جم گئی تو انہوں نے بھی ان لوگوں پر عذاب موت نازل کیا جنکے خیالات ان کے ظاہری عقیدہ سے کچھ بھی خلاف تھے اور اس حالت کو دیکھکر "ایراسم" اور اس کے ساتھی جو حریت اور شخصی آزادی کے حامی تھے پروٹسٹنٹ کے جتھے سے پھوٹ گئے اور ان کو آپس میں لڑنے مرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ "ایراسم" نے کہا تھا میرا گمان بھی نہ تھا

کہ مدعی اصلاح جماعت بھی یون علم و ہنر کی جانی دشمن نکلے گی۔"

پروٹسٹنٹ فرقے جو اصلاح کے متعلق مختلف عقاید رکھتے تھے محض اس وقت تک باہم متفق رہے جبتک انکو اپنے عام دشمن رومن کیتھلک چرچ کے ہاتھون سے امن نہ ملگیا اور جب یہ بات حاصل ہوچکی تو پہران کے آپس مین ہی جوت چلنے لگا اور خانہ جنگی شروع ہوگئی- ایک فاضل یورپین مورخ بیان کرتا ہے: "جس وقت پروٹسٹنٹ کا کوئی ایک فرقہ تخت حکومت پر جلوس کرتا تہا تو وہ باقی جماعتون کو فنا کرنے کی نیت سے ان کی خونریزی کے جرم مین اپنے آپ کو مجرم بناتا تہا یہان تک کہ لوگ ان باتون سے تنگ آگئے اور ہمیشہ کی بلائین جہیلنے سے گہبرا اُٹہے- حوادث انتقام کے پے در پے جاری رہتے اور ہر ایک گروہ پر اسکی مضرتین ظاہر ہونے سے آخر کار یہ بات قرار پائی کہ ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کو اس قدر آزادی دے جو سب کے لئے ضروری ہے اور جس سے کوئی مستغنی نہین ہوسکتا- اسی اثنا مین علم و معارف کشف حقایق اور ترقی آداب کا کام کر رہے تہے اور لوگون کو ان کے ذریعہ سے اتنی سمجہہ آچلی تہی کہ باہمی لڑائیان نہائیت مضرت رسان ہین اور شخصی آزادی یا انفرادی خیالات پر جور وستم کرنا سخت خرابی کا موجب ہے چاہے جس گروہ کا آدمی ہو اسکی ذاتی رائے اور ذاتی عقیدہ سے کسی کو کچہہ بحث نہ ہونی چاہئے غرضکہ اسی خیال سے یہ عظیم الشان اصل اور قابل قدر قاعدہ نکلا کہ دو مخالف عقیدہ کے آدمی ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی گہر مین بلا تکلف زندگی بسر کرین اور علم و ہنر کے ساتہہ ہر طرح کی رعایت کیجائے- اس قاعدہ کا موجب وہ سنگدلی اور سختی تہی جو اس سے پہلے ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتہہ عقاید کے بارہ مین برتتا تہا" انتہی-

تیسرا سبب بغاوت اور ہنگامہ تہے | فرانس کی بغاوت کے کارنامے اور اونکا دین اور رؤسا دین پر آفت توڑنا بیان کرنے کی بابت کوئی زیادہ حاجت نہین یہ ایک مشہور امر ہے ہان ناظرین کو یہین لگے ہاتہ اسکے بنظر تامل دیکہنے اور خاص یورپین مورخون کی کتابون

پر غور کرنیکی طرف ضرور توجہ دلاؤنگا جو اُنپر تمام پوست کندہ حالات کا انکشاف کریگے
اور اُنھین معلوم ہو جائیگا کہ مذہب عیسوی نے یوروپ مین علم کا تحمل کسی احسان اور
عنایت کی نظر سے نہین کیا بلکہ علمی جماعتون کی زبردستیان اُسپر غالب آئین اور مجبوراً
اُسے علم و آزادی کی اشاعت گوارا کرلینی پڑی جنکی ماتحتی مین وہ خدا جانے کس طرح
زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔

چوتھا سبب ترک مسیحیت تھا دین مسیحی کے پیشوا بڑے صاحب ہمت اور عالی
حوصلہ لوگ ہین اُنکی جدوجہد اور اشاعت مذہب کی اَنتھک کوششین بے نظیر ہین۔
بہت کم کسی مذہب کے پیشوا ان خوبیون مین اُنکا مقابلہ کرسکینگے۔ بلکہ حق تو یہ ہے
کہ کوئی اونکی گرد کو بھی نہین پہنچ سکتا۔ وہ لوگ اپنے دین مین غلو اور سختی کرنے اور عام
طبیعتون پر اپنی حکومت قایم کرنے کے لئے برابر ہر ایک ممکن وسیلہ سے کام لیتے رہے
اور اب بھی لے رہے ہین۔ جدید علم و ہنر نے اُنکو اپنے ارادون سے باز نہین رکھا بلکہ
اُس نے اُنکے لئے اور بھی بہت سے نئے وسایل اور طریقے اشاعت مذہب کے نکال دیئے
ہین جنکی امداد سے وہ اپنے دین کو ہر ایک شبہ اور خرابی سے پاک و صاف۔ دنیا کے
لئے قابل قبول اور دل پسند بنانے کا کام کر رہے ہین۔ مگر باوجود ان سب باتون کے
ہم دیکھتے ہین کہ عالم اور متمدن اصحاب اور علم و مدنیت کے حامی دین کیطرف سے محض
بے پرواہ ہین اور اُسکو ذرا بھی منھ نہین لگاتے۔ مسیحی اقوام کے عام افراد اور سواد اعظم کو
دین کی طرف کچھ بھی توجہ نہین اور اونھون نے اسکو بالکل ترک کر رکھا ہے۔ فرانسیسی
قوم جو کنیسہ کی اولاد سمجھی جاتی تھی آج اُسکی سخت دشمن ہو رہی ہے اور فرانس کے
فیلسوفون نے مناسب سمجھا ہے کہ وہ اپنے تعلیمی اور معاشری معاملات مین دینی پیشواؤن
کو دست اندازی کرنے سے روک دین۔ دوسری طرف لاہوتی مدرسون کو آباد اور اُنمین
ہزارون طالب علمون کو دینی علوم کی تحصیل کرتے ہی دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ آخر دین

مسیحی کے مذہبی مقتداؤن کی ہمت کیا چیز ہے؟ بہت سی عیسائی حکومتین اطراف عالم مین دین مسیحی کی حمایت اپنی سعادت سمجھتی ہین اور غالبًا کوئی عیسائی گورنمنٹ ایسی نہ ہوگی جو خارجی دنیا مین اپنے مذہب کی حد سے بڑھکر پاس ولحاظ نہ کرتی ہو۔ سنہ ۱۹۰۱ء مین فرانس کے کسی شہر مین ایک پروٹسٹنٹ فرقہ کے سرغنہ اور نامی شخص نے ایک لکچر دیا تھا اور اُس نے دوران تقریر مین اس تمہید کے بعد کہ مسیحیت رومانی ہو یا پروٹسٹنٹی دونون حالتون مین اپنا دینی خاصہ ہاتھ سے گنوا چکی ہے اور اسی طرح اپنا اجتماعی فایدہ بھی ہاتھ سے دے بیٹھی ہے جسب ذیل فقرے نہایت قابل غور کہے تھے:- وہ کہتا ہے:- "اگر دین عیسوی بجز محتاج اصلاح رومن کیتھلک۔ اور اصلاح شدہ پروٹسٹنٹ فرقون کے کسی اور چیز کا نام نہین ہے تو یہ صدی جو مسیحی تاریخ کی بیس صدیان پوری کرنے والی ہوگی کبھی مسیحی صدی نہ شمار کیجا سکے گی"

اِس مقرر کے لکچر مین ایسی باتین سُنی گئی ہین جو صراحتہً اُسکے اس ارادہ پر دلالت کرتی ہین کہ وہ مسیحیت کے کوئی ایسے دوسرے معنی قرار دینا چاہتا ہے جو مسلمانون کے اس دین کی نسبت کہنے والے اعتقاد سے بالکل مطابق اور حرفًا حرفًا ٹھیک ہون۔ اور اگر یہہ شخص اپنی کوشش مین کامیاب ہوگیا تو انشاء اللہ مسیحیت اور اسلام کا جھگڑا بالکل مٹ جائیگا۔ اور مذہب وعلم مین پوری طرح صلح وصفائی ہو جائے گی۔"

اسلام کی سماحت پر نظر ثانی اب ہم تھوڑی دیر کے لئے ناظرین کو پھر اسلام کے گزشتہ زمانہ اور دور اول کی طرف لئے چلتے ہین۔ تاکہ وہ خلفائے بنو امیہ اور ائمہ بنی عباس کے پُر رونق دربارون کی سیر کرین اور دیکھین کہ اونکی مجلسون مین اور اُن کے وزراء کی محفلون مین۔ فقہا، متکلمین، محدثین۔ ائمہ اور مجتہدین کی نشست وحالت کس انداز پر نظر آتی ہے۔ اور اُن کے گرد وپیش زباندان اور ادیب لوگون۔ مؤرخین۔ اطباء فلکی علماء۔ ریاضی دانون۔ جغرافیہ دانون۔ اور علمائے علم طبیعیات وغیرہ وغیرہ تمام روشن

خیال اور اہل نظر اشخاص کسطرح حلقہ باندھے ہین۔ پھر اُن مین ہر شخص اپنے اپنے کام اور شغل مین مصروف رہنے سے فراغت پاکر ایک دوسرے کے ساتھ کس کشادہ دلی اور خوش اخلاقی کے ساتھ ملتا جلتا اور کیسی پُر لطف زندگی بسر کرتا ہے ایک فقیہہ متکلم سے ہاتھ ملاتا ہے محدث طبیب سے باخلاق ملتا ہے۔ مجتہد فن ریاضی کے عالم سے ملنے چلا گیا ہے اور حکیم و فیلسوف مفسر و مؤرخ سے میل ملاپ رکھتا ہے۔ اور ہر ایک اپنے مدمقابل اور ساتھی کے علم و فضل کی سچی قدر کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی علمی مکان مین یا مجلس مذاکرہ مین داخل ہون تو ہر ایک فن کے علامہ اور امام باہم گفتگو اور بحث کرتے ہوئے نظر آئینگے بجز اختلاف رائے اور تخالف نظر کے اُن کے دلون مین کوئی کاوش یا ایک دوسرے سے عداوت نہین پائی جائے گی۔ کہین امام بخاری رح حافظ حدیث عمر بن حطان خارجی کے سامنے حدیث کا درس لے رہے ہون گے۔ اور کسی جگہہ عمرو بن عبید رئیس معتزلہ امام حسن بصری رح شیخ السنت اور ذی رتبہ تابعی کے حلقۂ درس مین بیٹھا اُن کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرتا نظر آئیگا۔ پھر جب لوگون نے اُس سے امام حسن بصری رح کی بابت دریافت کیا ہوگا کہ وہ کیسے آدمی ہین تو عمرو بن عبید کہتا ہوگا "(تمنے ایک ایسے شخص کے اوصاف دریافت کئے ہین جسکو ملائکہ نے ادب سکھایا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اُسکی تربیت کی ہے۔ وہ جس کام کو کرتا ہے پورا کرکے رہتا ہے اور جس بات کو سوچتا ہے ثابت کر دکھاتا ہے۔ اگر کسی بات کا عام لوگون کو حکم دیتا ہے تو سب سے بڑھکر خود اُسپر عمل کرتا ہے۔ اور لوگونکو کسی بات سے منع کرتا ہے تو پہلے خود اُسے ترک کر دیتا ہے۔ مین نے کسی کا ظاہر اُسکی باطن سے اس قدر مشابہ نہین دیکھا جیسا حسن بصری رح کا ظاہر و باطن یکسان ہے اور ایسے ہی اُنکا باطن اُن کے ظاہر سے ذرہ برابر خلاف نہین") یہ بھی کوئی بڑی بات نہین اور نظر اُٹھائی جائے تو امام ابوحنیفہ کوفی رح امام زید بن علی بانی فرقہ زیدیہ (شیعہ) کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے ہوئے اصول عقائد اور فقہ کے درس مین مصروف پائے

ہین۔ اور ان لوگون مین ایک کو دوسرے سے بجز اسکے اور کوئی اختلاف نہین جو کہ متنازعہ فیہ مسئلہ مین اپنی اپنی رائے اور نظر سے کام لیتے ہین ورنہ یون وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہین ۔ غرضکہ اُس صنف کے مسلمانون مین گو ہر شخص کا طریقہ طلب ایک دوسرے سے الگ تھا لیکن غایت و منزل مقصود ایک ہی تھی یعنی علم ۔ اور اُن مین سے ہر ایک کا صحیح عقیدہ یہ تھا کہ ایک ساعت کسی علمی یا دینی مسئلہ پر غور کرنا ساٹھ سال کی خالص عبادت سے بہتر ہے جیساکہ حدیث مین وارد ہوا ہے۔ اور گو اس حدیث کو ضعیف مانا جاتا ہے لیکن اسکی شہرت کی بُنیاد پر امام غزالی رح اسکی صحت کے قائل ہو گئے ہین۔

خلفا دینی حیثیت سے امام اور مجتہد تھے اور دنیاوی حیثیت سے ملکی و مالی اور جنگی طاقت کی باگین بھی اُنہی کے قبضہ قدرت مین تھین فقہاء محدثین متکلمین۔ اور ائمہ مجتہدین اور ایسے ہی دوسرے اہل علم دینداروں کے افسر و سرتاج اور خلفاء کے ماتحت عہدہ دار تھے۔ دین کو اُس وقت پوری قوت حاصل تھی اور عقیدہ کی حکومت دلون پر نہایت استحکام سے مسلط تھی جسکے ساتھ ہی ہر خیال اور فن کے عالم اور لوگ اُنکے سایۂ عاطفت مین آرام ولطف کی زندگی بسر کر رہے تھے کسی کی ذاتی رائے اور فکر پر کوئی روک ٹوک نہ کیجاتی تھی اور اسبارہ مین مسلم وغیر مسلم مین بھی کوئی امتیاز نہ تھا غرضکہ ایک منصف اور خوش خیال شخص اس حالت کا اندازہ کر کے اُن مسلمانون اور انصار دین کی نسبت اگر کچھہ کہے گا تو یہی کہ ہ سے فی الحقیقت علم کے ساتھ اگر تسامح تھا تو اُسی زمانہ اور اُنہی لوگون مین تھا۔ اور اسی وقت کے دین کا کرم وحلم قابل تعریف ہے۔ وہی ایک ایسی حالت تھی جو زمانہ کو علم و مدنیت کے دین سے متفق ہو کر زندگی بسر کرنے کا سبق دیتی ہے۔ اُنہی علماء اور حکماء سے حریت نظر اور آزادی خیال کا سبق ملتا ہے اور وہی لوگ عقل اور وجدان کے مابین صلح و آشتی کی روح پھونک دینے کا ثبوت دیگئے ہین۔ ممکن نہین کہ اُس مبارک زمانہ مین علم و دین کے مابین کوئی جنگ و جدل نظر آئے

ہان اہل علم اور دین پرست اصحاب کے باہمین ایک قسم کا اختلاف رائے ضرور نظر آئیگا جو قید رسم و رواج اور بند تقلید سے آزاد ہونے والون کی شان ہے۔ اور ایسا ہونا ہی چاہیئے مگر یہ بات کہ ان کے آپس مین ایک دوسرے پر تکفیر کے فتوے صادر ہوتے رہے ہون یا زندیق و ملحد و مبتدع یا ایسے ہی دوسرے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہو تو اسکا ثبوت کبھی نہ ملیگا کسی کو اس وقت تک ذرا بھی اذیت نہ پہنچاتے تھے جبتک کہ وہ شخص نظام جماعت سے خارج اور امن عامہ مین خلل انداز نہ ہوتا کیونکہ ایسی حالت مین اسکو عضو فاسد کی طرح جسم سے کاٹ ڈالنا ہی لازم ہوتا تھا۔ ورنہ خوف تھا کہ کہین اسکا ضرر سارے جسم تک متعدی ہو جائے

علم کا لازمۂ دین بننا اور مسلمانون مین تعصب کے مرض متعدی کی اشاعت۔

مسلمانون مین ایک دوسرے کو کافر و فاسق کہنے کا جوش کب سے شروع ہوا؟ اور زید کو بدعتی اور عمرو کو زندیق کہنے کا سلسلہ کب سے چلا؟ ہم آگے بیان کر آئے ہین کہ اس مرض کی ابتدا کیونکر اور کب ہوئی؟ اور اب پھر کہتے ہین۔ جس وقت سے دین مین کمزوری کا ظہور شروع ہوا۔ ان فتنون نے جو دشمنان و بدخواہان اسلام نے مشرق و مغرب مین اُسے کمزور و مضمحل بنانے کے لئے برپا کیے تھے۔ اہل بصیرت مسلمانون کو برباد کر ڈالا جن لوگون کے دلون مین ذرہ برابر بھی اسلام کی روح نہ تھی وہ اپنی رائے سے دینی امور پر گفتگو کرنے لگے۔ اور مسلمان یہ گمان کرنے لگے کہ جن نئی باتون کے کرنے سے دین کی شان و شکوہ مین افزائش ہو اسکا کرنا برا نہین بلکہ اچھا ہے۔ چنانچہ اس بارہ مین انہون نے اپنے گرد و پیش کی مسیحی یا دوسری بت پرست قومون کی رسمون پر عمل کیا۔ گزشتہ زمانہ کے صاف و سادہ مذہب اور اقوال سلف صالحین رضی اللہ عنہم کو دلون سے بھلا کر موجودہ زمانہ کے ناقابل علما۔ (نہین بلکہ بنے ہوئے عالم اور جعلی دینداروں) کے کہنے پر چلنے مسلمانون کے حکمران جاہل ہوئے۔ اُنکے دینی پیشواؤن کی صف مین گمراہ اور باطل پرست لوگون نے دخل پایا اور اُن کو راہ راست سے الگ کھینچ لے۔ بس اُسی وقت سے دین مین غلو

بڑھتا گیا۔ اور آپس میں عداوتوں کی آگ خوب بھڑکتی رہی۔ دین کی طرف سے عام لاعلمی نے یہ ایک آسان بات سب کو بتادی تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے کو بے دینی یا حدود دین سے خارج کرنے کا الزام دیا کریں۔ اور بس جس قدر وہ دین سے جاہل ہوتے گئے اُتنے ہی اُس میں غلو کی قسمیں اور باطل (بدعتیں) پوشیدہ ہوتی گئیں۔ اور جو امور کفر اور زندقہ کے خاص دین اسلام کے لوازم سے تھے مکروہ باتوں میں داخل ہو گئے۔ اور جو امور دین کے لحاظ سے واجب تھے وہ مکروہ اور ناجائز قرار پا گئے۔

مسلمانوں نے زندقہ۔ تزندق۔ متزندق۔ اور زندیق کے نام کہاں سے سیکھے؟ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ بھی اُن کے پڑوسیوں (عیسائیوں) کا احسان ہے جو ہرتقہ۔ تہرتق اور ہرتوقی۔ کہا کرتے تھے اور انہیں الفاظ کو سُنکر مسلمانوں نے بھی زندیق کا نام وضع کر لیا۔ یا اور ایسے ہی بہت سے نام سیکھ لئے۔ ایک دوسرے کو جلدی سے کافر کہہ دینے کی متعدی بیماری بھی اُنہی تعصب پسند قوموں سے مسلمانوں میں آئی جو اُن کے قرب و جوار میں رہتی تھیں۔ اور یہ متعدی مرض مسلمانوں میں اتنی جلد اس لئے پھیل گیا کہ وہ اپنے اصول دین سے جاہل ہونے کے باعث کمزور ہو گئے تھے اور قاعدہ ہے کہ کمزوری میں ہر ایک علت بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے۔

جس زمانہ میں مسلمان اپنے دین کے عالم تھے اُن دنوں وہ عالم کائنات کے علما اور تمام دنیا کے امام تھے۔ پھر اُنہیں خود اپنے مذہب سے جاہل ہونے کا مرض لاحق ہوا تو دنیا میں سب سے گری ہوئی اور ذلیل و خوار قوم بن گئے۔ سوال ہوتا ہے کہ آیا مسلمانوں نے اُسی شخص کی تکفیر پر قناعت کی جس نے دینی مسائل میں اُن کے ساتھ مخالفت کی ہو یا فلاسفر کے مذہب پر چلا ہو؟ ہم کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ اُن کی جہالت کا جوش اسقدر بڑھ گیا کہ خاص اپنے دینی اماموں اور کتاب و سنت کے سچے خادموں کو بھی انہوں نے اس لقب و انعام سے بے بہرہ نہیں چھوڑا۔ امام غزالی رح کی تصانیف اندلس کے

مشہد شہر غرناطہ تک پہنچیں اور ایک مدت تک مسلمان اُن سے نفع اُٹھاتے رہے
آخر جب اس شہر کے لوگوں میں جہالت کا جوش بڑھ گیا تو بربری اقوام کے برائے
نام علما نے اس نامور امام اور حجت الاسلام کو فاسق و گمراہ قرار دیا۔ اور اُسکی تمام
تصانیف خاصکر احیاء علوم الدین کے نسخوں کو جمع کر کے شہر غرناطہ کے شارع عام میں
انکو آگ لگادی۔ بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان شمار کرتے ہیں "ابن تیمیہ" جیسے
غیور عالم اور خادم سنت کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا کہنے سے نہیں چوکے۔ پھر ان کے
بعد جو لوگ ان کے مقلد و پیرو ہوئے اُنہوں نے تو سب و شتم کو اپنا ذریعہ اظہار علم بنا لیا
اور تا قیام قیامت اپنے بُرے رہنماؤں کے ذمے بار گناہ کو بڑھانے کا ٹھیکہ لے لیا۔

آثار سلف کی طرف سے بے توجہی مسلمانوں نے اپنے دینی علوم کا دیکھنا اور پڑھنا
اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے اقوال کی جستجو چھوڑ دی اور یہاں تک ان باتوں سے
بے التفاتی برتی کہ آج اُن کے ہاتھوں میں ابی الحسن اشعری رحمانی فرقہ "اشعریہ" ابی
منصور ماتریدی سرگروہ فرقہ ماتریدیہ۔ ابی بکر الباقلانی۔ اور ابی اسحٰق السفرائینی وغیرہ نامور
علمائے سلف کی کوئی کتاب کسی اسلامی کتب خانہ میں باوجود سخت تلاش کے بھی
مشکل ہے اور انکا کوئی صحیح نسخہ کہیں سے ہاتھ آنا دشوار۔ تیسری صدی ہجری میں اور
اُسکے بعد چھٹی صدی ہجری تک قرآن کریم کی بہت سی تفسیریں لکھی گئیں سجنہ اُن کی تفسیر
طبری۔ تفسیر ابی مسلم اصفہانی۔ تفسیر قرطبی۔ تفسیر جصاص۔ تفسیر غزالی۔ اور تفسیر ابی بکر ابن العربی
وغیرہ وغیرہ اعلیٰ درجہ کی معرکۃ الآرا تفسیریں ہیں جن میں ان ائمہ کے اقوال و رائیں
اور استنباط حکم و احکام کی ایسی وجہیں مرج ہیں جن سے علم دین کے طالب کو بے پروائی
کرنا ہرگز زیبا نہیں اور نہ بغیر اُن اقوال کے معلوم کئے ہوئے کام چل سکتا ہے۔ مگر کیا کوئی
بڑی سخت سے سخت کوشش کر کے تلاش کرنے والا ان کتابوں میں سے کسی کا ایک بھی
ایسا صحیح نسخہ دنیا کے سامنے نکال کر پیش کر سکتا ہے جو قابل وثوق ہو؟ ہاں ممکن ہے کہ

اتفاقاً کسی کے ہاتھ ایسا نسخہ لگ جائے جو اُسکی اعلیٰ درجہ کی خوش قسمتی ہے۔ کیا کوئی ایسی قوم جسکو دنیا کے بہترین دین کا پابند ہونیکا دعویٰ ہے۔ اور جو سلف صالح رکھتی ہے اسکو یہ بات زیبا ہے کہ اپنے سلف کے آثاریوں بے اتفاقی سے تلف ہونے دے اور اُن کی دماغی محنتوں اور قلمی مسودوں کا ذخیرہ مٹی میں ملتے ہوئے دیکھتی رہے۔ مگر دم نہ مارے؟ کیا مسیحی لاہوتیوں اور علمائے لاہوت نے کسی زمانہ میں بھی اپنے سلف کے کارناموں سے اتنی بے توجہی کی ہے؟ غالباً کبھی نہیں۔

دینی علوم اور اُنکے طالب

اسلام کے دینی علوم کے طلبگاروں کی حالت اکثر بلاد اسلام میں ناگفتہ بہ ہو گئی ہے۔ وہ علم کلام کی چند مختصر کتابوں سے زیادہ نہیں پڑھتے اور وہ بھی متاخرین کی لکھی ہوئی کتابیں پھر تیز طبیعت سے تیز طبیعت طالب العلم محض اُن کتابوں کی عبارتیں سمجھ لینے ہی پر اکتفا کرتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ اُنکے دلائل میں بحث و تحقیق کرنا سیکھے اُن کے مقدمات کی تصحیح کرے اور اُن میں سے صحیح کو باطل سے جُدا کرے بس جس طرح کتاب اللہ اور حدیث نبوی کو بلا قیل و قال پڑھا اور سمجھ لینا چاہئے اسی طرح علم کلام اور دیگر علوم عقلیہ کا بھی حال بنا رکھا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص اُن سے علم کلام کے کسی مشکل قضیہ میں اُلجھ پڑے اور رد و اُسکی تصحیح سے عاجز آجائیں تو فوراً گفتگو کو یہ کہکر ختم کر دیں گے کہ متکلمین نے ایسا ہی لکھا ہے۔ چاہے وہ قول متفق علیہ بھی نہو اور بعض وقت تو وہ صرف اُسی صاحب کتاب کا قول ہو حالانکہ جو اس کتاب کا مصنف ہے جسے ہار ماننے والے طالب علم نے پڑھا ہے بسا اوقات اُس کتاب کا مصنف ایسا شخص ہوگا جسکو سلف صالحین میں سے اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو اپنا شاگرد بنانا بھی پسند نہ کیا ہوتا۔

ممالک شام حجاز ٹیونس اور الجزائر میں دینی علوم کی طرف سے لوگوں نے تقریباً بالکل توجہ ہٹالی ہے۔ اور ممالک مغرب اقصیٰ میں اسکی کمی اور بھی حد سے بڑھ گئی ہے۔ اگر

ذرا ظہور دینی علوم کی تحصیل یا اسکی تعلیم کا شوق ہے تو ان مسلمانوں میں جو افریقہ کے
صحراؤں میں سکونت رکھتے اور تمدن دنیا سے کنارہ کش ہیں تعلیم دین کی کمی کیوں ہے؟
اس وجہ سے کہ ایک تو طریقہ تعلیم نہایت دشوار رکھا گیا ہے جس میں عمر کا کار آمد اور بڑا
حصہ ضائع جاتا ہے اور لوگوں کو پیٹ کی فکر مقدم ہوتی ہے اسلئے وہ ایک ایسی کام میں جس سے
انکی کسب معاش کا کوئی سامان نہیں ہو سکتا مفت عمر گنوانے سے گھبراتے ہیں۔ اور
دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر ماں باپ اپنی اولاد کو جدید مغربی علوم اور طرز تعلیم کے راستہ پر چلانا
پسند کرتے ہیں۔ خواہ ان کو خاص یورپ کے مدارس میں بھیجکر تعلیم دلائیں یا اپنے ہی ممالک
میں یوروپین وضع و نظام کے مدارس میں داخل کریں جن مدارس میں دینی تعلیم یا مذہبیت
کا کوئی نام تک نہیں۔ یا تقلید اور جمود کی وجہ سے پیدا شدہ فتور اور پست ہمتی نے لوگوں
کو دینی علوم کیطرف سے غافل بنا رکھا ہے۔ ان اسباب سے جہانتک دیکھا جاتا ہے عام مسلمانوں کو
دین کی طرف سے جاہل محض پایا جائیگا۔ بدعتوں نے انپر ایسا تسلط جما لیا ہے کہ وہ اپنے
سلف کے طرز عمل سے بالکل جدا ہو گئے اور ان کے آثار کی پیروی چھوڑ بیٹھے۔ اب اگر
کوئی اس قدر جرأت بھی کرے کہ جمہور اعظم مسلمانان کے روبرو کسی سلف کے طریقہ کو پیش
کرے یا ان کے احکام پر چلنے کی ہدایت کرنا چاہے تو وہ خود تیر ملامت کا نشانہ بنیگا اور
بدعتی۔ مخرب دین۔ اور لا مذہب کہلائیگا غرضکہ اس قسم کے مسلمان جو بکثرت بلکہ بیشتر ہیں
اپنے دین حق سے بیزار اور اسکے دشمن ہو رہے ہیں اور جو لوگ اصلی خادم دین ہیں ان کو
برا جانتے ہیں اب صرف چند ایسے لوگ جو نہ سلف کی خصوصیت سے قابل اعتماد ہیں اور نہ تعلیم
کے لحاظ سے لائق اعتبار عام مسلمانوں [illegible] ۔ اور اگر ایسے لوگوں کے
باتقدیس علم یا اہل علم کو کوئی [illegible] محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
دین القرآن دین السنۃ اور خلفائے راشدین یا ان کے پیرو سلف صالحین کے دین
کی طرف سے تصور کرنا سخت غلطی ہوگی۔ ❊

علم ہمیشہ اسلام کا تابع اور اُسکے سوا دیگر ادیان وملل کا مخالف رہا

میں سچ کہتا ہوں اور تجربہ و مشاہدہ میرے موید ہیں کہ نہ مسلمانوں نے کبھی علم سے عداوت کی اور نہ علم نے اُن کے ساتھ دشمنی کی۔ مگر جس دن سے مسلمانوں نے اپنے دین کی طرف سے منہہ پھیرا اور اُسکے علم سے بیزار ہوئے اسی دن سے وہ اس آفت میں مبتلا ہو گئے ہیں جس جس قدر وہ علم دین سے دور ہٹتے گئے اُتنا ہی دنیاوی علم بھی اُنکے پاس سے کھسکتا چلا گیا اور وہ عقل کے فوائد سے محروم ہو گئے۔ ورنہ جس زمانہ میں اُنکو اپنے دینی علوم کی طرف پوری توجہ تھی جس قدر اُسکو زیادہ حاصل کرتے اور اُس میں وسعت نظر پیدا کرتے اسی انداز سے علوم کائنات میں بھی وسیع النظر بنتے جاتے تھے اور زمانہ میں عزت و دولت خاص اُنہیں کا حق رہ گئی تھی۔ اور غیر مسلم قوموں کی یہ حالت رہی کہ جس قدر وہ اپنے دین سے نزدیک ہوتی تھیں علم اُن سے دور بھاگتا تھا اور جتنی اپنے دین سے الگ ہٹتی تھیں علم کمال اُنکے پاس آجاتا۔ اسی لئے وہ صراحتاً کہنے لگیں کہ علم عقل کا ثمرہ ہے اور عقل کا دین میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ دین وجدانات قلب سے تعلق رکھتا ہے اور جو چیز دل میں سما جائے اُسکو عقل کی کسبی چیز سے کوئی واسطہ نہیں۔ غرضکہ انہوں نے اس طرح عقل اور دین کے مابین ایک بہت دور دراز فاصلہ اور سخت جدائی ڈال رکھی ہے جن دونوں کا ایک جا جمع ہونا ممکن ہی نہیں۔ سبحان اللہ! پھر وہی لوگ ہیں کہ اپنے مذہب کو محب علم و ہنر بتاتے بلکہ اسکا نہایت زور شور سے دعوے کرتے ہیں۔ ایک طرف تو یہ باتیں اور دوسری جانب پکار پکار کر یہ کہتے ہیں کہ دین علم کا دشمن ہے اور ان دونوں کی آپسمیں صلح ہونی محال ہے؟

کیا تمکو مسلمانوں کے علم و ہنر کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنیکا سبب معلوم ہے؟ میں بدسلوکی کہتا ہوں مگر اس سے وہ سختی اور ظلم و ستم مراد نہیں جو مسیحیت نے اپنے پیروں کو ہلاک و غارت کرنے اور طرح طرح کی سزاؤں سے اُنکی جان لینے۔ ہلاکت انسان کے لئے انواع و اقسام کے آلات آزار دہی ایجاد کرنے اور محض شک و شبہ پر یا صرف تہمت واقع ہونے پر

جان سے ہلاک کر ڈالنے میں استعمال کئے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں میں یہ بات کبھی نہیں ہوئی نہ اُن کے علم و روشن خیالی کے زمانہ میں ایسی صورت دکھائی دیتی ہے اور نہ جہل و تاریکی کے دور میں اسکی کوئی مثال مل سکتی ہے۔ لیکن بدسلوکی سے میری مراد یہ ہے کہ علم کی طرف سے بے توجہی کی گئی۔ اہل علم اور طلاب علوم کو بُرا سمجھکر اُنکی شان میں حقارت آمیز کلمات زبان پر لائے گئے اور اُن کی صحبت سے احتراز کیا گیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ سب باتیں مسلمانوں کے اپنے دین کی طرف سے بیخبری کا نتیجہ تھیں اسلئے جو دوا اس مرض کا شافی علاج بن سکتی ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان پھر اپنے دین کی طرف واپس آئیں اور اُس کے اسرار و نکات معلوم کرنے کی بصیرت حاصل کریں اور اُسکی دعوت کی حقیقت کو سمجھیں۔ مسلمانوں کا دین اُن کے اور علم کے مابین تعارف کا واسطہ تھا۔ اسلئے جب یہ واسطہ جاتا رہا تو دلوں میں خرابی پیدا ہوگئی اور اُنس و محبت وحشت و نفرت سے بدل گئی۔ +

اسلام کی دعوت دینے والے اب سوال ہو سکتا ہے کہ آیا مسلمانوں میں علم کے حقیقی دعوت دینے والے یا ایسے مبشری پیدا ہوئے جو اصل دین کے پوری طرح جاننے والے تھے؟ پھر بھی مسلمانوں کے دلوں میں اُنکی کوئی جگہہ نہ ہوئی اور اُنہوں نے اپنے سچے رہنماؤں کی پیروی نہیں کی؟ یا جسطرح ایسے دعوت دینے والے تاریخ مسیحی کی سولہویں صدی کے وسط میں تمام ممالک یورپ میں بکثرت پھیل گئے تھے اور اُنہی کی کوشش و جانکاہی سے سترہویں صدی کے اوائل اور اسکے مابعد زمانہ میں علم کی قوت ظاہر ہوئی۔ ایسے ہی مسلمانوں میں بھی کچھہ دعوت دینے والے ظاہر ہوکر اُنکے ممالک میں پھیلے تھے یا نہیں؟ اسکا جواب یہ ہوگا کہ نہیں۔ البتہ متفرق زمانوں میں اس طرح کے سچے اہل علم اور دیندار اشخاص پیدا ہوتے رہے جو دین و علم کے صحیح اصول پر عمل کرتے اور لوگوں کو خالص دین کی دعوت دیتے تھے۔ گو ایسے لوگ ہر ایک ہجری صدی میں چار پانچ

سے زائد نہیں نکلے تاہم جہاں اُن کی باتیں مسلمانوں میں شائع ہوتیں لوگ جوق در جوق پرانی رسموں کو چھوڑ کر اُن کے نقش قدم پر چلنے اور اُنکی باتیں ماننے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ مگر جب سیاست (نعوذ باللہ من السیاستہ) کو اسبات کا پتہ ملتا تھا کہ اُن حق پرست اشخاص کی ہدائتیں آخر کار کیا رنگ لائیں گی تو وہ فوراً اُنہیں کچل ڈالتی اور لوگوں کے دلوں میں اُن کی لگائی ہوئی پود بار ور نہ ہونے پاتی۔ لیکن کیا کوئی لائق اور منصف مزاج شخص ملکی حکمرانوں کے ہاتھوں اہل علم پر ایسے صدمات آنیکا نام دینی حمایت کے لئے علم کے ساتھ بدسلوکی کرنا رکھیگا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ تو ایسے صدمات ہیں جو خود دین کی بنیادیں متزلزل کر دیتے ہیں۔ انصاف پسند اہل نظر ان کو دین کیطرف کبھی منسوب نہیں کر سکتے +

مقلد اُس شخص سے ہر حال میں گھٹکر رہتا ہے جسکی وہ تقلید کرے

ممکن ہے کہ کوئی شخص اس مقام پر یہ اعتراض بھی کر بیٹھے کہ:۔ اگر مسلمانوں نے جمود اور کورانہ تقلید علم سے نفرت۔ اور دنیا و آخرت میں باہمی عداوت ہونے کا اعتقاد یا عقل و دین کے آپس میں دشمنی ہونیکا خیال اور اسکے علاوہ تمام باتیں جو اُن میں اب موجود ہیں سابقہ قوموں سے ہی بطور وراثت حاصل کی ہیں اور خاصکر اُن ملتوں سے جو اُنکے زمانۂ ظہور سے بہت قریب گزری اور دنیاوی زندگی میں اُنکی ساتھی رہی تھیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ اُنہوں نے مسیحی لوگوں سے اپنے دین کی اشاعت پر سخت حریص ہونے اور اُسکے علوم میں وسعت پیدا کرنے پر دلدادہ ہونے کا سبق نہیں لیا۔ اور کیوں اونہوں نے بھی عیسائیوں کی طرح اپنی قوم کے دو حصے نہیں کر ڈالے تاکہ ایک حصہ گوشہ نشینی اور عبادت گزینی اور مذہبی حفاظت کا کام کرتا رہے۔ اور دوسرا حصہ دنیاوی کاروبار کے ذریعے سے کسب معاش کر کے اپنے اور اُن دینی خادموں دونوں کے لئے بسر اوقات اور روزی کا سامان کرے نیز فوجی قوت اور مالی طاقت بہم پہنچا کر اپنے اور اپنے ساتھی دینداروں کے خارجی دشمنوں سے بچانے کا انتظام کرے؟ کیا سبب ہے کہ مسلمان آج اس تدریجی حالت اور کمزوری میں مبتلا ہیں کہ

نہ اپنے دینی علوم کی اُنھیں خبر رہی اور کسب معاش وحصول دولت کے رستوں سے بھی الگ جا پڑے ہیں۔ نہ اُنکے پاس مال ومتاع ہے۔ اور نہ ملک وسلطنت ہے بس مسلمان ہیں اور قسمت کا ڈھکوسلا۔ رات دن یہی رٹتے رہتے ہیں کہ جو کچھ مقدر میں لکھا ہے وہ آپ ہی ہو رہیگا۔ ہماری کوشش بیسود ہیں ہے مگر دوسری جہت سے دیکھئے تو سب سے زیادہ زندگی کے شائق اور دنیاوی حشمت وعزت کے طالب مسلمان ہی نظر آئینگے۔ غرضکہ مسلمانوں کی بیشتر تعداد نہ دین کے کام کی ہے اور نہ دنیا کے مفید مطلب۔ پھر آخر یہ تناقض کیوں اور کہاں سے آیا؟۔ ہم کہتے ہیں:۔ شاید معترض اس بات کو بھولا ہوا ہے کہ مقلد ہمیشہ اُس شخص سے گری ہوی حالت وحیثیت میں ہوتا ہے جسکی اس نے پیروی کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مقلد شخص مقلَّد کے اعمال وافعال کی ظاہری حالت پر نظر ڈالتا ہے اُسے اُن اُمور کے باطنی اسرار یا اُنکے بنیادی اصول بالکل نہیں معلوم ہوتے۔ اسلئے جو کچھ وہ کرتا ہے بے ڈھنگے طور پر اور بے قاعدہ کرتا ہے اور یہی وجہ ہے جسنے مسلمانوں کو اپنے مقلَّدوں سے بھی بڑھکر گری ہوی حالت میں مبتلا کیا۔ خصوصًا اس لحاظ سے کہ انہوں نے تقلید کے خلط مبحث میں پڑکر اپنے دین میں ایسی باتوں کا اضافہ کرلیا جو کسی طرح اُسکے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی تھیں جنکی وجہ سے اُنکی مثال اُس مخبوط کی سی ہوگئی جو کبھی قوتوں کی کشمکش میں پھنس کر آخر کار ناکامی کی تھکن لاحق ہونیسے یا آرام لینے کے لئے لیٹ رہے اور خیال کرے کہ جب یہ تھکن دور ہو جائے گی تو دوبارہ اُٹھکر سمجھ بوجھ کے ساتھ درست طور پر کام کریگا۔ اور یا اُسی کوفت وتھکن میں پڑا ہوا مر جائے۔

جس زمانہ میں مسلمان فی الواقع عالم اور دانا تھے اُسوقت اُنکی دو آنکھیں تھیں۔ ایک آنکھ سے وہ دنیا کی طرف دیکھتے تھے۔ اور دوسری آنکھ آخرت کے امور پر لگی رہتی تھی۔ مگر جب اُنہوں نے تقلید کے تنگ دایرہ میں قدم رکھا اور اس جال میں پھنسے تو ایک آنکھ جو دنیاوی معاملات کی نگہبان تھی بالکل بند کرلی۔ اور دوسری آنکھ جس سے اُخروی خوبیوں پر نظر کی جاتی تھی غیر موزون اور ادپری چیزوں کے خس وخاشاک سے بھرلی۔ اس لئے وہ دونوں مطلب کھو بیٹھے نہ دنیا کے رہے اور نہ دین کے۔ اور اب تاوقتیکہ وہ مُندی ہوئی پہلی آنکھ پھر نہ کھولیں اور میل کچیل سے اَٹی ہوئی دوسری آنکھ دوبارہ صاف نہ کریں اُسوقت تک کبھی ممکن نہیں [illegible]

کرسکیں - *

اصلاح اور صلاح کرنیوالے ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ بھی کہہ بیٹھیں کہ تم مسلمانوں میں علم اور دین کی اشاعت و صلاح کی چیخ پکار مچانے والوں کی کمی بیان کرتے ہو اور ہم اندنوں ہر ایک اسلامی ملک میں اس قسم کی آوازیں بلند ہوتے سنتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے والوں کا ایک جم غفیر ہر جگہہ پیدا ہو گیا ہے جن میں سے ہر شخص کے لبوں پر دین - قوم - اسلام مسلمان - قرآن - سنت - اسلام کی قدیم عظمت - اسلامی سلف صالح - تعلم تعلیم اور کتب قدیمہ و کتب جدیدہ - یا ایسی ہی باتیں ہر طرف سنائی پڑتی ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ حصول علم کیطرف بلانے والے اور اصول دین اسلامی پر عمل کرنیکی تحریک کرنے والے دنیا میں بافراط موجود ہیں - مگر باوجود اسکے ہم یہی دیکھتے ہیں کہ بیشتر مسلمان اُن خیر خواہوں کے اقوال پر کان نہیں دہرتے اور اُنکی ہدایتوں پر عمل کرنیسے دور بھاگتے ہیں ؟ ہم اس معترض کو یہ جواب دیسکتے ہیں کہ - اُن مدعیان اصلاح میں سے سچے مصلح تلاش کئے اور چھانٹے جائیں تو شاید اُنکی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں پر بھی نہ گنی جاسکے ورنہ زیادہ شمار ایسے لوگوں کا ہوگا - جو فی الواقع سخت خود غرض اور عام مسلمانوں کو دہوکا دینے والے ہیں - اُنکی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایسے کلمات کو کسب معاش اور تجارت کا ذریعہ بنائیں اور اس طرح اپنی روٹیاں کمائیں - اُنکی دلیل یہ ہے کہ بظاہر تو وہ اپنی زبان سے اس طرح کے الفاظ کہتے ہیں لیکن فی الحقیقت خود انکے معانی اور مدلولات سے کوئی سبق نہیں لیتے - اور ان پر اس نظر سے غور نہیں کرتے کہ انکی حقیقت کیا ہے - باتیں بنانے میں آفت اور [illegible] ہیں لیکن عملی میدان میں سب سے پیچھے خود ہی نظر آئینگے - اب رہے وہ لوگ جو سچے اور مخلص ہیں اُنکی تعداد گو کم ہے تاہم اُنکی باتیں سمع قبول سے سُنی جاتی ہیں اور اُنکی ہدایتوں پر کاربند ہونے کو لوگ اپنی سعادت سمجھتے ہیں - خاصکر دینی معاملات اور دین کو دنیا کے ساتھ جمع کرکے سعادت دارین حاصل کرنے میں وہ ایسے ہادیوں کی بات ماننے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے - اگرچہ ابھی بعض مقامات ہی کے مسلمانوں میں یہ حالت نظر آئے گی لیکن بات یہ ہے کہ ایسی اصلاح کی تکمیل کیلئے جو ایکدم سے چلکر تھوڑی سی دیر میں دنیا کو مشرقی گوشہ سے مغربی گوشہ تک ایک ساتھ پھیل جائے انہیں ایک زمانہ تک انتظار کرنا چاہیئے -

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں میں معلومین قوم کی کثرت گزشتہ یورپ والوں کی نسبت کیوں کم نظر آتی ہے جسکی وجہ سے وہ ظالم اور سخت گیر حکام کو مغلوب کرکے انکی جگہہ عادل اور خداترس ملکی مدبروں کو مقرر کرنے میں قاصر رہے ہے اور علم و ہنر کی کچھ بھی اشاعت نکرسکے اور کیا سبب ہے کہ مسلمانوں میں اہل بصیرت کی تعداد کم ہے جسکے ساتھ ہی وہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتے بھی ہیں۔ نیز اُن میں علم و ہنر کو عملی طور پر شاعت دینے والوں کی کمی ہے۔ کیا ان باتوں سے اسلام پر مواخذہ نہیں ہو سکتا اور یہ امور اسکی خرابی کی دلیل نہیں ہیں؟

اسکے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ :- بیشک مسلمانوں کی حالت اُن کے مقلد لوگوں سے اچھی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ قاعدہ کی بات تو یہ ہے کہ وہ بہت گری ہوئی اور ابتر ہونی چاہئیے۔ مسیحیت ایک ہزار سال سے زائد زمانہ تک تاریکی اور جہالت کے دور میں پڑی رہی اسکے بعد کہیں اسمیں علم و ہنر شخصی آزادی علمی تحریک اور عملی حرکت کا ظہور ہونے لگا اور جن باتوں میں انسانی جمعیت کی بہبودی ہو انکا چرچا پھیلا۔ مگر کس طرح ؟ اس طرح کہ تین چار صدیوں تک مصلح اور بہی خواہ لوگوں نے خواب غفلت کے ماتے افراد قوم کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر اُٹھانے کی سعی کی اور متواتر صداۓت کی ضربیں اُن کے ہوش ٹھکانے آئے۔ لیکن مسلمانوں پر اُس دن سے جبکہ اُن میں ایسی بدعتیں داخل ہوئیں آجتک آٹھ صدیوں سے زاید زمانہ نہیں گزرا ہے اسلئے ابھی وہ مدت جو اس طرح کی حالت کی عمر ہوتی ہے پوری نہیں ہوئی اور وہ وقت نہیں آیا جبکہ اس زندگی کا خاتمہ ہونا ضروری ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ انشاء اللہ مسلمانوں پر ایسی مدت گزرنے کے قبل ہی وہ دین و دنیا کی بہبودیوں سے اتنا حصہ حاصل کرلیں گے جسکے وہ اہل ہیں۔

عیسوی اور اسلامی تعصب کا فرق بہرحال انصاف و عدل کے مذہب میں یہ بات کبھی جائز نہ ہوگی کہ دینی تعصب میں غلو رکھنے کا ذکر کرتے ہوئے جمہور مسلمانوں کو عام عیسائی اقوام کے پہلو بہ پہلو ٹھہرا کر اسمیں سے گیر کیا جائے۔ اور یہ کہنا تو سخت ظلم ہوگا کہ مسلمانوں کو تعصب میں افراط کا مرتبہ حاصل ہوا کیونکہ تاریخی اور ظاہری شواہد ہمیں بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کا تعصب اگر لفظوں اور کلموں کی حد تک محدود رہے تو جمہور عیسائیوں کا تعصب عملی جامہ پہن کر جلوہ گر۔ اگر کوئی شخص حقیقت و اصلیت کا طالب ہے تو اسکو لازم ہے کہ مشرقی ملکوں میں حکومت ہالینڈ کی ماتحت نو آبادیوں

جنوب میں مملکت ٹرنسوال اور بلاد شمال، شمال میں آج سے بیس سال قبل روسی قلمرو کے شہروں اور پہر مغرب میں بلاد الجزائر یا اُسکے قرب وجوار کے مقاموں کی حالت پر ایک نظر ڈالکر دیکھیے کہ وہاں غیر مسیحی رعایا کے ساتھ کیسا سخت برتاؤ ہوتا ہے اور اُنکی کتنی مٹی پلید کیجاتی ہے۔ غالباً اوسکو عیسائی لوگوں کے تعصب کا ایسا منظر دکھائی دیگا جو تہذیب وتمدن۔ اور انسانیت واخلاق کے لحاظ سے سخت بدنما اور قابل نفرت ہے۔

فرانس کے اہل قلم اور مضمون نگاروں کے مضامین پڑھکر اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اُن کو مسلمانوں کے بارہ میں سخت حیرت ہے کہ اُنکے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔ انکا دل تو یہ چاہتا ہے کہ جو اسلامی ممالک اُن کے قبضہ میں ہیں وہاں امن واطمینان قایم رہے مگر اُنکی گورنمنٹ نے اُن ملکی حصوں پر حکمرانی کا جو قاعدہ مقرر کیا ہے اُسکا جزو اعظم ہے سخت گیری، اور خاصکر مسلمانوں پر ہر طرح مصیبتیں نازل کرنا۔ اب یہ اہل قلم چاہتے ہیں کہ کسی طرح مذکورہ بالا قانون میں بھی خلل نہ آئے اور اسلامی بلاد میں امن واطمینان بھی قائم رہے۔ مگر خداوند کریم کو یہ بات منظور نہیں کیونکہ ضدین کا یکجا جمع ہونا تمام فلاسفہ یورپ کے نزدیک بھی محال عقلی ہے اور محال کا ممکن ہونا معلوم۔

مسلمانوں کے معاملہ میں مسیو ہانوٹو کی آخری رائے

مسیو ہانوٹو فرانس کے مشہور پولیٹیکل انشا پرداز نے برسوں ایک ایسے طریقہ کی بحث پر خامہ فرسائی کی جس سے حکومت فرانس کے تابع اور زیر اثر اسلامی بلاد پر عمدہ طور سے حکمرانی کیجا سکے اور مسلمانوں کے ساتھ ایک مناسب برتاؤ کیا جائے۔ چنانچہ اُسکی رایوں کا خلاصہ پہلے اخبارات میں شایع ہوتا رہا ہے اور تمام اخبار بین دنیا اس سے واقف ہے پھر وسط میں تین سال تک یہ زبردست مضمون نگار بالکل خاموش رہا کیونکہ اُس نے اپنی تحریروں اور رایوں سے اسلامی دنیا کی عام ناراضی دیکھکر چند روز کے لئے قلم روک لیا تھا۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں بمقام "قاہرہ" مصر، ماہ مارچ میں جو انجمن جغرافیائی تحقیقات کے لئے جمع ہوئی تھی اُسکے جلسہ میں پھر اس فاضل انشا پرداز نے ایک تقریر کی جسمیں ہمارے موضوع بحث کے متعلق اُس نے افریقہ کے بابت چند کلمے کہنے پر کفایت کی تھی جنکا حاصل یہ ہے کہ "افریقہ میں جو نئے قواعد واجب العمل ہیں اُن کو قدیم دستور واصول سے بالکل

جُداگانہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں حکومت نوآبادیات کے لئے جو حکمت عملی قرار دی گئی تھی اب زمانہ اُسکے لئے موزوں نہیں رہا۔" (یعنی اس وقت جبکہ مقولہ تقریر کرنے کو کھڑا ہوا ہے) اسکے بعد مقرر نے جدید قواعد کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ امن اور صلح جوئی کی پالیسی پر مبنی ہونے چاہئیں چنانچہ کہتا ہے :۔ "اسمیں شک نہیں کہ ہمکو جس طرح اہل افریقہ کے ساتھ دینی تساہل کرنے کے پابند رہنا چاہیئے اسی طرح ہمیں اُن کے ساتھ عدل اور صلح جوئی کی حکمت عملی بھی برتنا لازم ہے۔ میں اُس عظیم الشان موضوع کی طرف محض ایک خفیف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جسکو انسانی طبیعت کے جوش میں لانے کی پوری قوت حاصل ہے۔ یوں تو عام ممالک افریقہ میں اور خاصکر اُس کے شمالی حصہ میں یورپین تہذیب و تمدن کا ایک قوی حریف وہ قدیم اور شاندار مذہب ہے جسکو دین اسلام کہتے ہیں اور جو شمالی افریقہ کے اطراف میں بہ نسبت دوسرے مقامات روئے زمین کے بہت تازہ دم اور مستحکم ہے۔ یہ دین انسانوں کو ایک خدا کی طرف بُلاتا ہے۔ اور ایمان بالتوحید کو تمام خوبیوں کا مصدر قرار دیتا ہے خواہ وہ فضائل ذاتی اور شخصی ہوں یا اجتماعی اور معاشری۔ یہ دین ایک ایماندار شخص کو اس طرح اپنے قابو میں کر لیتا ہے کہ وہ کسی صورت میں اُسکے جال سے نکل نہیں سکتا۔ اسلئے ہم پر فرض ہے کہ اس معاملہ میں تساہل سے کام لیں اور نہ صرف تساہل سے کوئی کام چل سکتا ہے بلکہ ہمپر یہ بھی واجب ہے کہ اس دین پر پوری طرح غور کی نظر ڈالیں اور اُسکے سمجھنے کی انتہائی کوشش کریں۔ ہمکو لازم ہے کہ اسلام زبردست اصول "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کو اپنا دلیل راہ بنائیں۔ اور اسکے حکم سے کبھی سرتابی نہ کریں۔ اور ہمیں دین اسلام کا احترام کرنا اور اُسکو ہر بُرائی و آفت سے بچانا چاہیئے۔ اس مقام پر اگر میں امیر عبدالقادر الجزائری کا ایک فقرہ نقل کروں تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ اور وہ قابل قدر فقرہ یہ ہے :۔ "یہودیت عیسویت اور اسلام ان تینوں دینوں کے پیرو ایسے ہیں جیسے ایک باپ کے صلب اور تین ماؤں کے شکم سے تین بہنیں۔" +

قبل اسکے کہ میں سیومانوٹو کی تقریر پر کوئی رائے زنی کروں ناظرین سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا انہوں نے امیر عبدالقادر جیسے صحیح النسب سید اور رسول۔ عالی مرتبہ امیر صحیح پندار اور راسخ العقیدہ مسلمان شخص کے مثل یا اُن سے کسی قدر گھٹے ہوئے درجہ ہی کے غیر مسلم شخص کی

زبان سے ایسے کلمات سُنے ہیں ؟ جواب یہ ہوگا کہ ہرگز نہیں ۔ اب اس سے کیا ثابت ہوتا ہے ؟ آیا مسلمان ہی متعصب ہیں یا عیسائی قوموں کا مرتبہ اس صفت میں اُنسے بھی بالاتر ہے ؟"

مسیو ہانوٹو اپنی رائے میں اپنے ہم قوموں کو مسلمانوں پر حکمرانی کرنے میں ایک نیا راستہ دکھانا چاہتے ہیں ۔ اور وہ نئی سبیل کیا ہے ؟ یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح جوئی ۔ امن اور تساہل برتا جائے ۔ اُنکو مسلمان رہنے دیا جائے ۔ اُن کے حقوق کی عزت و نگہداشت کیجائے ۔ اور اُن کے دینی معاملات میں ذرا بھی مداخلت نہ کیجائے ۔ خیر سے مسیو ہانوٹو اس امر کو ایک ایسی نئی اپج اور زیجاد بندہ بھی تصور کرتے ہیں جسکی نظیر زمانہ سابق میں پائی نہیں گئی ۔ پھر باوجود اسکے قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ آیا فرانسیسی حکومت اُنکی بات مان بھی لیگی ؟ مجھے تو ہرگز امید نہیں پڑتی کہ کسی وقت میں بھی ایسا ہو سکے ۔ بہرحال اب میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا ایک منصف مزاج شخص کو یہ بات سزاوار ہے کہ جبتک پردۂ دنیا پر اس درجہ کا تعصب نظر آتا ہے اُس وقت تک وہ تعصب کا نام لیتے ہوئے مسلمانوں ہی کو اُسکا مکمل نمونہ بناکر پیش کرے ؟" +

انگریزوں کی مسامحت آمیز حکمت عملی

ہاں ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ یورپین قوموں میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو یہ جانتی ہے کہ اپنے مذہب کے مخالف مذہب رکھنے والوں پر حکومت کرنے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح اُنپر فرمانروائی کرنی مناسب ہے اُس قوم کو بخوبی علم ہے کہ اُن غیر عیسائی اقوام کے عقائد اور رسم و رواج کی کس طرح حفاظت و عزت کرنی چاہیئے جو اُسکی مطیع رعایا ہیں ۔ یہ قوم انگلش قوم ہے ۔ اور یہی وہ یکتا یورپین مسیحی قوم ہے جو تسامح اور نرمی کے ساتھ حکومت کرنیکی قدرشناسی میں فرد ہے ۔ اور اگر ہم یہ کہیں تو یقیناً صحیح ہوگا کہ ۔ انگلش قوم میں ایسی صفت پیدا ہونیکی بنیاد یہ بات ہوئی کہ اس قوم کے امرا اور سپہ سالار صلیبی لڑائیوں کے دوران میں تمام دیگر صلیبی مجاہدین کی نسبت مسلمانوں کے سلطان اور اُسکے سپہ سالاروں سے بہت زیادہ تعلقات اور میل جول رکھتے تھے ۔ اُس تاریک زمانہ میں انگریزوں کو امتیازی خصوصیت کے ساتھ اسلامی عقائد اور مسلمانوں کی عادتیں معلوم کرنے کا شوق دیکھا گیا ۔ اور وہ اس معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے ممالک میں لیگئے تھے

چونکہ وہ ایک اُٹھنے والی قوم تھی اسلئے تعصب کا پردہ اُنکی آنکھوں سے نورِ حق کی چمک نہیں چھپا سکا اور اسکا اثر بہت سے انگریز اہل قلم میں دوسری یورپین قوموں کے مصنفین و مؤلفین سے بہت بیشتر ظہور پذیر ہوا۔ والٹر اسکاٹ سیسل۔ اور اسی طرح کے دوسرے نامور انگریز علما دیگر علمائے یورپ کی نسبت بہت پہلے معاملات اسلام پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں۔ غرضکہ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ یہ شریف خصلت یعنی ہر مذہب کے پیروؤں کو اپنے دینی فرائض کے ادا کرنے میں پوری آزادی دینا اور اُن کے عادات و اخلاق عقائد و عبادات کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا۔ اُن عادات اور خوبیوں میں سب سے بڑھکر ہے جو غیر مسلم قوموں نے مسلمانوں سے بطور وراثت حاصل کی ہیں ہمارے خیال میں کوئی شخص اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس بارہ میں انگریزوں کا اُستاد وہی اسلام ہے جو بدعتوں اور خرابیوں سے پاک و صاف تھا۔ اور اس مبارک عادت کی تعلیم انہوں نے اسی اسلام سے حاصل کی ہے۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ انگلش زمانہ حکومت بالکل اُس اسلامی نظام حکومت سے مشابہ ہے جو مسلمانوں کے فی الواقع مسلمان ہونیکے زمانہ میں پایا جاتا تھا انگریز حکام تمام رعایا سے صرف پابندی قوانین۔ قیام امن۔ اور ادائے خراج و محصولات شخصی (ٹیکس) کی خواہش رکھتے ہیں جسکے بعد وہ مناسب وقت حکمت عملی کو ملحوظ رکھکر تمام ملک میں امن انصاف کا سلسلہ قائم کرتے ہیں اور ایک دین کو دوسرے مذہب سے کوئی خاص امتیاز نہیں دیتے۔ اسلام کے صدر اول میں مسلمانوں کی بھی یہی حالت تھی بلکہ وہ موجودہ انگلش طرز حکومت سے بھی بڑھکر مہربانی اور احسان کے قاعدہ پر مبنی پائی گئی۔ +

خاتمہ

بحث بہت طول کھینچ گئی اور غالباً ناظرین اس سے گھبراکر یہ کہنے لگے ہوں گے کہ آخر بات کی کوئی حد بھی ہوگی۔ یا یونہی شیطان کی آنت بڑھتی چلی جائے گی فضول طول کلام سے لوگوں کی طبیعتیں اُکتا جاتی ہیں اور اُن کو سُننے یا سمجھنے کا لطف نہیں آتا۔ مگر میں نے یہ طوالت سمجھداری اور معرفت کے خواہان اشخاص کے لئے کی ہے جو میرے خیال میں اس سے بھی زیادہ تفصیل و تشریح کے خواہشمند ہونگے۔ اور اس بیان کو جو میں نے اب تک کیا ہے موضوع بحث کی اہمیت کے

مقابلہ میں ناکافی تصور کرینگے۔ اگر کم فہم اور تنگ نظر ناظرین کے دل اس سے گھبرا اٹھیں تو یہ خود اُن کے قصورِ ہمت اور پستی دماغی کا نتیجہ ہے۔ بہرحال اب میں اس سلسلہ گفتگو کو بند کئے دیتا ہوں اور اُن امراض کا مسئلہ جو اسلام کو لاحق ہوئے یا جن بدعتوں اور نئی لغویات نے اُسپر بُرا اثر دکھایا جنکی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سی علّتیں چمٹ گئیں اُنکا بیان کسی دوسرے مضمون کے لئے اُٹھائے رکھتا ہوں۔

میں نے اس مضمون میں کسی خاص شخص کی حالت پر زبان طعنہ نہیں کھولی ہے اور نہ کسی مخصوص گروہ کو مورد لعن قرار دیا ہے۔ الفاظ بُرے اور گندے نہیں لکھے۔ طرز بیان میں ادب اور حسن عبارت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ غرضکہ کوئی کلمہ اس پورے رسالہ میں ایسا نہیں مل سکتا جس سے کسی خاص فرد پر عیب لگانے کی بو آتی ہو۔ دراصل یہ خیالات پہلے ہمارے دل میں رہے۔ اور پھر قلم کے ذریعے سے صفحہ کاغذ پر بھی آئے تو اس سے ہماری خواہش یہی رہی کہ صرف اپنے افرادِ ملت یا خاص احباب تک اسکا فائدہ پہنچے۔ غیروں کو اسکا مخاطب بنانا ہماری غرض نہ تھی مگر جب کوئی شخص اغیار میں سے خواہ مخواہ اسکا طالب ہے تو ہمکو اُسکی مدارات کرنے میں تامل کرنے کی کیا وجہ ہوسکتی تھی۔ جو باتیں ہمارے دل و دماغ میں موجود تھیں اُسکو بھی سُنا دی گئیں اور انشاء اللہ آیندہ بھی جنکی خواہش ہوگی اس سے بڑھکر باتیں سُنیگا[ل]۔

ل مقصد یہ ہے کہ نہ ایڈیٹر رسالہ الجامعہ جیسے ٹیڑھے نکلتے اور نہ ایسی باتیں انکو یا عیسائیوں کو مخاطب کرکے لکھی جاتیں۔ ابتدا جنکی طرف سے ہو تو مدافعت اور جواب دینا لازمی امر ہے۔ (مترجم)۔

تمام شد

Checked 1987
HYDERABAD STATE

مطبوعہ روز بازار
امرتسر
جنرل لائبریری ایجنسی

مقابل میں ناکافی تصور کرینگے۔ اگر کم فہم اور تنگ نظر ناظرین کے دل اس سے گھبرا اٹھیں تو یہ خود اُن کے قصور ہمت اور پست دماغی کا نتیجہ ہے۔ بہر حال اب میں اس سلسلہ گفتگو کو یہاں بند کئے دیتا ہوں اور اُن امراض کا مسئلہ جو اسلام کو لاحق ہوئے یا جن بدعتوں اور نئی لغویاتوں نے اُسپر بُرا اثر دکھایا جنکی وجہ سے سلمانوں کو بہت سی علتیں چمٹ گئیں اُنکا بیان کسی دوسرے مضمون کے لئے اُٹھائے رکھتا ہوں۔

میں نے اس مضمون میں کسی خاص شخص کی حالت پر زبان طعنہ نہیں کھولی ہے اور نہ کسی مخصوص گروہ کو مورد لعن قرار دیا ہے۔ الفاظ بُرے اور گندے نہیں لکھے۔ طرز بیان میں ادب اور حسن عبارت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ غرضکہ کوئی کلمہ اس پورے رسالہ میں ایسا نہیں مل سکتا۔ جس سے کسی خاص فرد پر عیب لگانے کی بو آتی ہو۔ دراصل یہ خیالات پہلے ہمارے دل میں رہے۔ اور پھر قلم کے ذریعہ سے صفحہ کاغذ پر بھی آئے تو اس سے ہماری خواہش یہی رہی کہ صرف اپنے افراد ملت یا خاص احباب تک اسکا فائدہ پہنچے۔ غیروں کو اسکا مخاطب بنانا ہماری غرض نہ تھی مگر جب کوئی شخص اغیار میں سے خواہ مخواہ اسکا طالب ہے تو ہمکو اُسکی مدارات کرنے میں تامل کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ جو باتیں ہمارے دل و دماغ میں موجود تھیں اُسکو بھی سُنا دی گئیں اور انشاء اللہ آیندہ بھی جنکی خواہش ہوگی اِس سے بڑھکر باتیں سُنیگا۔

لہ مقصد یہ ہے کہ نہ ایڈیٹر رسالہ الجامعہ چھیڑ نکالتے اور نہ ایسی باتیں اُنکو یا عیسائیوں کو مخاطب کرکے لکھی جاتیں۔ ابتدا مخالف کی طرف سے ہو تو مدافعت اور جواب دینا لازمی امر ہے۔ (مترجم)۔

تمام شد

مطبع روز بازار

امرتسر

جنرل لائبریری ایجنسی

Checked 1987
HYDERABAD STATE LIBRARY